مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ لاہور

طلوع اسلام

جلد: 50 شمارہ: 12 دسمبر 1997ء

خط و کتابت: ناظم ادارہ **طلوع اسلام** (رجسٹرڈ)
25-بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660

Tele Off – 876219,5753666,5764484
Res- 6541521 – Latif Chaudhery
Fax : 92 42 5764484
Email: tluislam@brain .net.pk
Internet http://www.toluislam.com

انتظامیہ چیئرمین: ایاز حسین انصاری

ناظم: محمد لطیف چوہدری

مدیر مسئول: محمد لطیف چوہدری

مجلس ادارت: ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

ناشر: عطا الرحمٰن ارائیں

طابع: سید فیصل سلیم

مطبع: آفتاب عالم پرنٹنگ پریس 15 ہسپتال روڈ لاہور

مقام اشاعت: 25-B گلبرگ 2 لاہور 54660

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ	2
کیا قائد اعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے	علامہ غلام احمد پرویزؒ	5
خطاب بہ رفقائے سفر	ایاز حسین انصاری	26
احمدی (قادیانی) اور تحریک پاکستان	عبداللہ ثانی ایڈوکیٹ	33
استفسارات (انگریزی)	محترمہ شمیم انور	42
روئیداد کنونشن	ادارہ	44
تصویری جھلکیاں	ادارہ	64

زر سالانہ

ایشیا، افریقہ، یورپ	600 روپے
آسٹریلیا، امریکہ، کینیڈا	800 روپے
اندرون ملک فی پرچہ	15 روپے
اندرون ملک سالانہ	170 روپے

قارئین کو یہ دیکھ کر خوشی ہو گی کہ مجلہ طلوع اسلام اپنے دور ثانی سے پاکستان کے ساتھ قدم بقدم چل رہا ہے۔

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

مشاورت کا آخری فیصلہ کون کرے؟

اخبارات میں ان دنوں ایک اہم مسئلہ سامنے آرہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ "حکومت پارلیمنٹری پارٹی کے اندر ممبران کو پارٹی چیف سے اختلاف رائے کا حق دے۔" مسئلہ بڑا اہم ہے۔ قرآن " مشاورت " کے عمل کو بڑی اہمیت دیتا ہے کیونکہ حکومت کے کاروبار میں مشاورت کے عمل سے ہی پیچیدہ مسائل کا حل دریافت کیا جا سکتا ہے۔ حضور نبی اکرمؐ کے زمانے کی مشاورت کی مثالیں ریکارڈ پر موجود ہیں۔ مثلاً" جب جنگ بدر کے موقع پر حضورؐ نے کیمپ کی جگہ مقرر کی تو صحابہ کرامؓ نے اس کے برعکس دوسرا مشورہ دیا۔ چونکہ یہ مشورہ صائب تھا اس لئے حضورؐ نے اسے قبول کیا اور اس کے نتائج بھی خوشگوار سامنے آئے۔ دوسری طرف صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام مکہ **معظمہ** کے اندر فوراً" داخل ہونا چاہتے تھے لیکن حضورؐ نے اس سے اختلاف کیا اور مدینہ منورہ واپس جا کر اگلے سال آنے کا مشورہ دیا۔ ان دونوں واقعات سے جو اہم نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مشاورت پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے بے حد ضروری ہے لیکن اس کا آخری فیصلہ اسلامی نظام کی مرکزی اتھارٹی کے ذمہ ہے۔

قرآن کریم اس کی تائید کرتا ہے :

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ..... (42:10)

" یہ ٹھیک ہے کہ طبائع کے میلانات اور مختلف رجحانات کی وجہ سے تم میں مختلف امور میں باہمی اختلاف ہو گا۔ ان اختلافات کو مٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ

SUBSCRIPTION IS LIFE LINE OF A JOURNAL
PLEASE PAY SUBSCRIPTION

ہر معاملہ کا فیصلہ اللہ کے قانون کے مطابق کیا جائے جو سب کے لئے آخری سند ہے۔" بالفاظ دیگر فیصلہ قرآن کے مطابق ہو گا جس کا نفاذ قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی ہی کر سکتی ہے۔ پھر دوسرے مقام پر کہا:

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ... (3:159)

اے رسول! "جب باہمی مشاورت کے بعد تم کسی بات کا فیصلہ کر لو تو قانون خداوندی پر بھروسہ کر کے اپنے فیصلے پر کاربند ہو۔"

لیکن یہ کہ "آخری فیصلہ مرکزی اتھارٹی نے کرنا ہے" اسے بطور قانون نافذ کرنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ امور سلطنت میں اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کیا جائے۔ بالفاظ دیگر قرآن کے احکام کو آخری اتھارٹی تسلیم کیا جائے۔ لیکن جہاں اقتدار اعلیٰ عوام کا ہو جسے (People's Sovereignty) کہا جاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں مندرجہ بالا اصول کو عمل میں لانا ممکن نہیں۔

پاکستان میں آج کل People's Sovereignty رائج ہے جو **لا الہ الا اللہ** کے خلاف بغاوت ہے۔ گو پاکستان کے عوام کی اکثریت پاکستان میں اسلامی نظام رائج کرنے کے حق میں ہے لیکن ان کی اس خواہش کو عمل میں لانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہاں مذہبی فرقے موجود ہیں۔ یہ نظریہ اسی صورت میں عمل آسکتا ہے کہ الگ الگ مسالک سے ہٹ کر ہر فیصلہ قرآن کریم کے مطابق کیا جائے۔ کیونکہ قرآن ہی **بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا** (2:256) ہے یعنی ایسا مضبوط اور قابل عمل سہارا جس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے اور جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔

* * *

ہمارا دعوٰے ہے (اور مبنی برایمان دعوٰی) کہ

اِسلام نوعِ انسانی کی تمام مُشکلات کا حل پیش کرتا ہے

لیکن جب پوچھا جائے کہ اِسلام ہے کیا؟ تو مختلف گوشوں سے مختلف آوازیں اُٹھتی ہیں جن کا ماحصل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے مسائل سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر اسلام یہی ہے تو اس سے زندگی کے مسائل کا حل نہیں مل سکتا۔ اسلام ایک نظامِ حیات ہے اور اس کی بنیادیں غیر متبدل تصوّرات پر قائم ہیں۔ جب تک یہ تصوّرات واضح طور پر سامنے نہ آئیں، اسلام، بحیثیت ایک نظامِ حیات کے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ضرورت تھی کہ

یہ تصوّرات واضح اور دلکش انداز میں پیش کیے جائیں

پرویز صاحب کی تصنیف

اِسلام کیا ہے؟

اِسی ضرورت کو بہ تمام و کمال پورا کرتی ہے۔

اس کے مُطالعے سے اسلام کے متعلق سینکڑوں غلط فہمیاں دُور ہو جاتی ہیں!

قیمت : اعلیٰ ایڈیشن = Rs 180/ قیمت : سٹوڈنٹ ایڈیشن = Rs 90/ مینجر طلوعِ اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا قائد اعظم پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟

کسی قوم کی اس سے بڑھ کر بدقسمتی اور کیا ہو گی کہ جس بنیاد پر اس کی نو **متشکل** مملکت کی عمارت قائم ہوئی ہو' وہ اس کا مفہوم ہی متعین نہ کر سکے اور اس طرح اس کے متعلق مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرنے' ابھارنے اور پھیلانے کا موجب بنتی ہے۔ اس کا انجام ظاہر ہے۔ پہلے وہ بنیاد متزلزل ہو گی اور اس کے بعد ایک دن وہ ساری عمارت نیچے آگرے گی۔ مملکت پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریہ پر تھی اور یہ وہ نظریہ ہے جس کے الفاظ کو دہرایا تو مسلسل جا رہا ہے لیکن اس کے متعلق مفہوم کو سامنے نہیں آنے دیا جاتا۔ طلوع اسلام اس باب میں 1948ء سے (بلکہ یوں کہئے کہ 1938ء سے) برابر لکھتا چلا آرہا ہے۔ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ شائد اس کے قارئین (یا ان میں سے کم از کم کچھ لوگ) یہ کہہ اٹھتے ہوں گے کہ یہ داستان سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے۔ اب اسے کب تک دہرایا جائے گا اور ہمارا جواب یہ ہے کہ جب تک ہمارے قلم میں سکت اور ہمیں کچھ لکھنے کی فرصت اور مہلت ہے' ہم اسے برابر دہرائے چلے جائیں گے کہ اسے ہم اپنا دینی فریضہ اور ملی تقاضا سمجھتے ہیں۔ ایسا کرنے کی ضرورت بالخصوص اس وقت پڑتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس نظریہ کے خلاف حملوں کی شدت بڑھتی جا رہی ہے اور ملک میں کسی اور گوشہ سے اس کی مدافعت میں نہ کچھ کیا جاتا' نہ کہا جاتا ہے۔ اس وقت بھی اسی قسم کی صورت پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ہمیں اس تلخ حقیقت کے دہرانے کی ضرورت پڑ گئی ہے۔

مدیر طلوع اسلام

1979ء میں محترم منیر (ریٹائرڈ) چیف جسٹس آف پاکستان کی کتاب From Jinnah To Zia شائع ہوئی تھی۔ اب اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے سابقہ خیال کو دہرایا ہے کہ --- قائد اعظمؒ پاکستان میں سیکولر سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے ----- انہوں نے 1964ء میں روزنامہ "پاکستان ٹائمز" میں ایک مقالہ لکھا تھا جس کا عنوان تھا Days to Remember اس کے آخر میں انہوں نے لکھا تھا:۔

تشکیل پاکستان کے وقت کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہو گی:۔

طلوع اسلام بابت اگست ۔ ستمبر 1964ء میں اس کا مواخذہ کیا گیا تھا۔ میں نے محترم جسٹس کی کتاب کو درخور

اعتنا نہ سمجھا کیونکہ میرے خیال میں یہ بات کہنا کہ قائد اعظمؒ پاکستان میں سیکولر سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے ایسا ہی ہے کہ جیسے کل کو کوئی مورخ یہ لکھ دے کہ قائد اعظمؒ لنگوٹ باندھ کر مسٹر گاندھی کی پرارتھنا میں جایا کرتے تھے۔ یعنی بد یہیات کو جھٹلانا۔

لیکن میرے ایک بالغ نظر دوست نے مجھ سے کہا ہے کہ محترم جسٹس کی اس کتاب سے پاکستان کو بڑا نقصان پہنچ رہا ہے۔ وہ طبقہ جو شروع ہی سے پاکستان کے خلاف تھا' ہمارے نوجوان طبقہ میں یہ خیال عام کر رہا ہے کہ قائد اعظمؒ کا مقصد اس مملکت کو سیکولر بنانا تھا۔ اس کی تائید میں وہ محترم جسٹس کی کتاب کو بطور سند پیش کرتا ہے اور چونکہ محترم جسٹس کے نام کو ان کے سابقہ منصب اور بزرگی کے اعتبار سے خاص اہمیت حاصل ہے اس لئے یہ پروپیگنڈہ خاصا' اثر انداز ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس طبقہ میں یہ خیال عام ہو رہا ہے کہ جب پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا مقصود تھا تو ہندوستان سے الگ ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے دوست نے مجھ سے کہا کہ اس کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔ میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ان سطور کا جذبہ محرکہ یہی ہے۔ میں اس سلسلے میں اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ تحریک پاکستان کے سلسلے میں بالعموم اور قائد اعظمؒ کے ضمن میں بالخصوص' جو کچھ میں کہتا چلا آرہا ہوں اور کہوں گا' وہ شنید نہیں' دید ہے' میں (اپنے متعلق اکثر کہا کرتا ہوں کہ میں) 1930ء کا پاکستانی ہوں جب علامہ اقبالؒ نے (الہ آباد کے مقام پر) اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا تھا کہ اسلام ایک زندہ حقیقت صرف اپنی آزاد مملکت میں بن سکتا ہے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے مسلمانان ہند کے لئے ایک جداگانہ مملکت کا تصور پیش کیا تھا۔ اس کے بعد جب قائد اعظمؒ اس شمع کو لے کر آگے بڑھے تو میں نے ملازمت میں ہونے کے باوجود' تقریباً دس سال تک ان کی معیت اور قیادت میں اپنے انداز سے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ اس زمانہ کے طلوع اسلام کے فائل اس کے شاہد ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد' طلوع اسلام 1948ء میں جاری ہوا اور وہ پاکستان کی اصل و اساس کے تحفظ کے سلسلہ میں' جس کثرت اور شدت سے لکھتا چلا آرہا ہے شاید ہی کوئی پاکستانی ایسا ہو جو اس سے ناواقف ہو۔ بنا بریں' میں اس سلسلہ جو کچھ عرض کروں گا وہ شنید نہیں' دید ہو گا۔ لیکن "دید" سے یہ مراد نہیں کہ میں زبانی روایات پیش کر دوں گا۔ بلا سند روایات سے تو تاریخ ننگ ہو جاتی ہے۔ میں جو کچھ کہوں گا وہ قائد اعظمؒ کے ان بیانات اور تقاریر پر مبنی ہو گا جو چھپ کر محفوظ ہو چکی ہیں اور انہیں ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے۔

محترم جسٹس نے اپنے دعاوی کو ان الفاظ میں سمیٹ کر بیان کیا ہے :۔

1۔ قائد اعظمؒ سیکولر ڈیموکریٹک مملکت چاہتے تھے۔ یعنی ایسی سٹیٹ جس میں مذہب کو کاروبار مملکت سے کچھ واسطہ نہ ہو۔ (صفحہ 33)

2۔ پاکستان میں ایک مذہبی مملکت کے قیام کا خیال نہ علامہ اقبالؒ کے ذہن میں تھا نہ قائد اعظمؒ کے۔ (صفحہ 34)

3۔ اسلامی مملکت کا تصور قائد اعظمؒ کی وفات کے بعد پہلی بار 25 مارچ 1949ء کو لیاقت علی خاں (مرحوم) نے قرار داد مقاصد کی شکل میں اسمبلی میں پیش کیا۔ انہوں نے اس قرار داد کو قائد اعظمؒ کی زندگی میں اس لئے پیش نہ کیا کہ وہ جانتے تھے کہ وہ اس کی سخت مخالفت کریں گے۔ (صفحہ 36)

اپنے اس دعویٰ کی تائید میں محترم نے دو دلائل پیش کئے ہیں :۔

1۔ قائد اعظمؒ نے بار بار کہا تھا کہ پاکستان میں تھیاکریسی نہیں ہو گی (صفحہ 35 ،32 ،30) اس کے معنی یہ

ہیں کہ وہ سیکولر سٹیٹ چاہتے تھے۔

2۔ انہوں نے اپنی 11 اگست 1947ء کی تقریر میں اسے واضح کر دیا تھا کہ پاکستان کی مملکت سیکولر ہو گی۔ (صفحہ 30)

قبل اس کے کہ میں واضح کروں کہ قائد اعظمؒ پاکستان میں کس قسم کی سٹیٹ چاہتے تھے۔ میں (جسٹس ممدوح کی بزرگی کے احترام کے باوجود) اتنا گزارش کرنے پر مجبور ہوں کہ ان کی یہ دلیل کہ چونکہ قائد اعظمؒ تھیاکریسی نہیں چاہتے تھے اس لئے اس سے ثابت ہوا کہ وہ سیکولر سٹیٹ چاہتے تھے' رکیک اور بودی ہے۔ تھیاکریسی اسی طرح خلاف اسلام ہے جس طرح سیکولرازم۔ لہٰذا قائد اعظمؒ جس طرح سیکولرازم کے خلاف تھے' اسی طرح تھیاکریسی کے بھی خلاف تھے۔ تھیاکریسی کہتے کسے ہیں' اسے انہوں نے اپنے اس پیغام میں واضح کر دیا تھا جو انہوں نے بحیثیت گورنر جنرل' فروری 1948ء میں اہل امریکہ کے نام براڈ کاسٹ کیا تھا۔ اس میں انہوں نے پاکستان کے دستور کے متعلق فرمایا تھا:۔

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہو گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہو گا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدت انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو' یہ امر مسلمہ ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہو گی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔
(تقاریر بحیثیت گورنر جنرل' صفحہ 65)

تھیاکریسی کی مخالفت

اس براڈ کاسٹ کے آخری فقرہ میں قائد اعظمؒ نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ تھیاکریسی وہ نظام حکومت ہوتا ہے جس میں اقتدار مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔ قائد اعظمؒ اس طرز حکومت کے خلاف تھے کیونکہ یہ اسلام کے خلاف ہے اور قرآن آیا ہی اسے مٹانے کے لئے تھا۔

مجھے انتہائی افسوس بلکہ دکھ کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ محترم جسٹس نے اپنی کتاب میں قائد اعظمؒ کے اس براڈ کاسٹ کو نقل کیا ہے لیکن اس فقرہ تک کہ "ہم ان کا پورا پورا احساس رکھتے ہیں" اس کا اگلا فقرہ جس میں قائد اعظمؒ نے واضح کیا تھا کہ تھیاکریسی کیا ہوتی ہے انہوں نے حذف کر دیا ہے۔

(کتاب صفحہ 31' 30)

ان کی بزرگی کا احترام ہمیں اس باب میں کچھ کہنے سے مانع ہے۔ عدالت کی میزان میں اسے کیا کہا جائے گا' اس کے متعلق ان سے بہتر فیصلہ اور کون دے سکے گا؟

اقبالؒ کی طرح قائد اعظمؒ بھی تھیاکریسی کے خلاف تھے اور سخت خلاف۔ اس لئے کہ تھیاکریٹک سٹیٹ اور اسلامک سٹیٹ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے تھیاکریسی کے خلاف کیا کچھ اور کتنا کچھ لکھا تھا' اس کی وضاحت کا یہ مقام نہیں۔ (میں اس مقالہ کو' جسٹس ممدوح کی کتاب کے حوالے سے قائد اعظمؒ تک محدود رکھنا چاہتا

ہوں) یہاں ان کے صرف ایک بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے جو روزنامہ انقلاب (لاہور) کی 23 مارچ 1932ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا اور جس میں انہوں نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:۔

تمہارے دین کی یہ عظیم الشان بلند نظری' ملاؤں اور تقیوں کے فرسودہ اوہام میں جکڑی ہوئی ہے اور آزادی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے ہم حالات و جذبات کے ایک ایسے قید خانے میں محبوس ہیں جو صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر لیا ہے اور ہم بوڑھوں کے لئے شرم کا مقام ہے کہ ہم نوجوانوں کو ان اقتصادی' سیاسی' بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضر میں آنے والے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ پھر نئی آرزوؤں' نئی تمناؤں اور نئے نصب العین کی امنگ کو محسوس کرنے لگ جائے۔

انہوں نے اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ اس قسم کا انقلاب بڑی ذہنی جدوجہد کا متقاضی ہو گا اور یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا کہ "اسلامی دنیا اس کی طرف عمرؓ کی روح کو لے کر آگے بڑھے۔ وہ عمرؓ جو اسلام کا سب سے پہلا تنقیدی اور حریت پسند قلب ہے۔ وہ جسے رسولؐ اللہ کی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرات نصیب ہوئی کہ --- **حسبنا کتاب اللہ** "ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے۔" (خطبات اقبالؒ)

قائد اعظمؒ نے 5 فروری 1938ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے' نوجوان طالب علموں سے کہا تھا کہ "مسلم لیگ نے ایک کام تو کر دیا اور وہ یہ کہ اس نے تمہیں ..... رجعت پسند عناصر کے چنگل سے چھڑا دیا ہے اور اس خیال کو عام کر دیا ہے کہ جو لوگ خود غرضی کا مفاد پرستانہ کھیل' کھیل رہے ہیں وہ قوم کے غدار ہیں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس نے تمہیں اس ناپسندیدہ عنصر کی جکڑ بندیوں سے آزاد کر دیا ہے جسے مولوی یا مولانا کہتے ہیں -- (تقاریر قائد اعظمؒ حصہ اول صفحہ 48)

اس سے ان کی مراد' تھیاکریسی کی مخالفت تھی۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے 11 اپریل 1942ء کو دہلی میں مسلم **لیجسلیٹر** زکنونشن کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کے لئے یہ جنگ کر رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین تھیاکریسی نہیں۔ ہم تھیاکریٹک سٹیٹ نہیں بنانا چاہتے۔

(تقاریر جناحؒ' شائع کردہ شیخ محمد اشرف' جلد دوم' صفحہ 386)

اسلامی حکومت کی امتیازی خصوصیات

وہ تھیاکریٹک سٹیٹ نہیں بلکہ اسلامک سٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ اسلامک سٹیٹ کے اصول و مبانی کیا ہوتے ہیں یہ موضوع بڑی تفصیل چاہتا ہے (میں اس کے متعلق صدہا صفحات لکھ چکا ہوں) اس کا نقطہ ماسکہ یہ ہے کہ اس میں کسی انسان کو حق حکومت حاصل نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کو انہوں نے حیدر آباد (دکن) میں عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء کو 1941ء کو انٹرویو دیتے ہوئے ایسے جامع انداز میں سمٹا کر بیان کر دیا تھا جس کے بعد کچھ اور کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ انہوں نے فرمایا تھا:۔

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام و اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی' نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی

سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔

(اورینٹ پریس بحوالہ' روزنامہ انقلاب' لاہور' مورخہ 8 فروری 1942ء)

ہمیں امید ہے کہ اس سے محترم جسٹس پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ قائد اعظمؒ تھیاکریسی کی مخالفت کے بعد کسی قسم کا سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے۔

مطالبہ پاکستان کا مقصد

اب آیئے اس حقیقت کی طرف کہ وہ مقصد کیا تھا جس کے حصول کے لئے پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تھا اور قائد اعظمؒ اور مخالفین مطالبہ پاکستان کے مابین جنگ کس بات پر ہوئی تھی؟ وہ جنگ صرف اس بنا پر لڑی گئی تھی کہ قائد اعظمؒ اسلامی ریاست **متشکل** کرنا چاہتے تھے اور مخالفین پاکستان (ہندو اور مسلمان نیشنلسٹ) سیکولر سٹیٹ کے حامی تھے۔ تفصیل اس اجمال کی بڑی وسعت طلب ہے۔ میں چند ایک مثالوں پر اکتفا کروں گا ---- قائد اعظمؒ نے جب مذہب (دین) کی بنیادوں پر مملکت قائم کرنے کا مطالبہ پیش کیا تو (اس زمانے کے) کانگریس ایک نامور لیڈر' مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے ایوان اسمبلی میں (جس میں وہ کانگریس پارٹی کے لیڈر تھے) پکار کر کہا:۔

اب یہ ناممکن ہے کہ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کیا جا سکے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ وقت آ چکا ہے کہ ہم اعتراف کر لیں اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ضمیر' مذہب اور خدا کو ان کے مناسب مقام' یعنی آسمان کی بلندیوں پر رکھ دیا جائے اور خوامخواہ زمین کے معاملات میں گھسیٹ کر نہ لایا جائے۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اگر مذہب کو سیاست سے الگ نہ کیا جائے تو کوئی نظام حکومت قائم رہ سکتا ہے۔ عصر حاضر میں بہترین نظام حکومت اس نظریہ پر قائم ہو سکتا ہے کہ جغرافیائی حدود کے اندر گھرا ہوا ایک ملک ہو اور اس ملک کے اندر رہنے والے تمام افراد' معاشی اور سیاسی مفاد کے رشتے میں منسلک ہو کر ایک قوم بن جائیں۔

(ہندوستان ٹائمز 1938-09-05)

اس پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے ہندوستان ٹائمز نے لکھا تھا:۔

حکومت الہیہ کا تصور ایک داستان پارینہ ہے اور مسلمانوں کا فعل عبث ہو گا اگر وہ ہندوستان جیسے ملک میں اس کے احیاء کی کوشش کریں جہاں مختلف جماعتیں ایک دوسرے سے گتھی ہوئی ہیں یا اس امر کا خیال کریں کہ اس مقصد کے لئے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ علامت خوش آئند ہے کہ خود مسلمانوں کے ذمہ دار رہنما اس سراب کے پیچھے لگنا نہیں چاہتے۔

(ہندوستان ٹائمز' 1939-11-14)

1940ء میں جب قرار داد پاکستان منظور ہوئی تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر گاندھی نے کہا تھا:۔

اگر مذہب کو علی حالہ رہنے دیا جائے یعنی ایک نجی کا معاملہ اور خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی تعلق' تو پھر ہندوؤں اور مسلمانوں کے کئی ایک اہم مشترک عناصر نکل آئیں گے جو مجبور کریں گے کہ یہ دونوں ایک مشترکہ زندگی بسر کریں اور ان کی راہ عمل بھی مشترک ہو۔

(ہندوستان ٹائمز' 1940-06-09)

اس رو میں مسٹر گاندھی نے 1946ء میں لکھا تھا:۔

اگر میں ڈکٹیٹر ہوتا تو مذہب اور حکومت کو الگ الگ کر دیتا۔ مجھے میرے مذہب کی قسم' میں اس کے لئے جان تک دے دیتا۔ مذہب میرا ذاتی معاملہ ہے۔ حکومت کو اس سے کیا واسطہ ؟ حکومت کا منصب یہ ہے کہ وہ تمہاری دنیاوی ضروریات کا خیال رکھے ..... مذہب سے اس کا کوئی واسطہ نہیں' مذہب ہر شخص کا پرائیویٹ معاملہ ہے (ہریجن' 1946-12-09)

مسٹر گاندھی کا یہ رد عمل' قائد اعظمؒ کے اس خط کا نتیجہ تھا جو انہوں نے اول الذکر کو یکم جنوری 1940ء کو لکھا تھا۔ اس میں انہوں نے (مسٹر گاندھی) سے کہا تھا:۔

آج آپ اس سے انکار کرتے ہیں کہ قومیت کی تشکیل میں مذہب ایک بہت بڑا عنصر ہے۔ لیکن خود آپ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ زندگی میں آپ کا مقصود کیا ہے اور وہ کون سی قوت محرکہ ہے جو ہمیں آمادہ بہ عمل کرتی ہے۔ کیا وہ مذہب ہے یا سیاست یا عمرانی اصلاح ؟ تو آپ نے کہا تھا کہ وہ خالص مذہبی جذبہ ہے (لہٰذا' مذہب اور سیاست' دو الگ الگ شعبے ہو نہیں سکتے) آپ تمدنی' معاشی سیاسی اور خالص مذہبی امور کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے۔ جس مذہب کو انسانی معاملات سے واسطہ نہیں' میں اسے مذہب ہی تسلیم نہیں کرتا۔ مذہب انسان کے ہر معاملہ کے لئے اخلاقی بنیاد مہیا کرتا ہے۔ اگر مذہب نہ ہو تو انسانی اعمال اس بنیاد سے محروم رہ جاتے ہیں اور جب زندگی ایسی بنیاد سے محروم رہ جائے تو وہ زندگی انسانی نہیں' محض غوغہ آرائی اور ہنگامہ پروری بن کر رہ جاتی ہے جس میں شور و شغب تو بہت ہوتا ہے لیکن مقصد کچھ نہیں ہوتا۔ (تقاریر بناحؒ حصہ اول صفحہ 140-139)

قرآن مجید کی عظمت

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قائد اعظمؒ نے واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اسلامی مملکت وہ ہے جس میں قرآن عظیم کی حکمرانی ہو۔ انہوں نے قرآن مجید کی عظمت اور جامعیت کا کسی ایک بیان میں ذکر نہیں کیا' وہ پوری تحریک پاکستان کے دوران اس حقیقت کو دہراتے رہے۔ مثلاً اپریل 1943ء کا ذکر ہے۔ صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائد اعظمؒ سے ایک پیغام کے لئے درخواست کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا:۔

تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کوئی پیغام دوں۔ میں تمہیں کیا پیغام دوں جب کہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے جو ہماری راہنمائی اور بصیرت افروزی کے لئے کافی ہے۔ وہ پیغام ہے خدا کی کتاب عظیم' قرآن کریم۔

(تقاریر' جلد اول' صفحہ 516)

13 نومبر 1939ء کو آپ نے قوم کے نام عید کا پیغام نشر فرمایا۔ اس زمانے میں ملک میں ہنگامے اور فساد ہو رہے تھے۔ آپ نے قوم سے کہا:۔

جب ہمارے پاس قرآن کریم ایسی مشعل ہدایت موجود ہے تو پھر ہم اس کی روشنی میں ان اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے ؟ (تقاریر' جلد اول' صفحہ 108)

دسمبر 1943ء میں کراچی میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے

پھر آپ نے خود ہی یہ سوال اٹھایا:۔
وہ کون سا رشتہ ہے۔ جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟

اس کے بعد خود ہی ان سوالات کا جواب ان الفاظ میں دیا:۔
وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر، خدا کی عظیم کتاب، قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی ------ ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسولؐ، فلذا ایک قوم۔ (تقاریر، جلد دوم، صفحہ 50)

انہوں نے 1945ء میں، ملت کے نام عید کے پیغام میں ایک ایسی حقیقت کشا بات کہی جس پر نگہ بصیرت ہمیشہ وجد کرتی رہے گی۔ آپ نے فرمایا:۔
اس حقیقت سے ہر مسلمان واقف ہے کہ قرآن کے احکام مذہبی اور اخلاقی حدود تک محدود نہیں۔ مشہور مورخ گبن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ " بحر **اطلانتک** سے لے کر گنگا تک ہر جگہ قرآن کو ضابطہ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے۔ اس کا تعلق صرف الٰہیات تک نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے رسول اور فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے جس کے قوانین نوع انسان کے تمام اعمال و احوال کو محیط ہیں اور یہ قوانین غیر متبدل، منشائے خداوندی کے مظہر ہیں۔"

اس کے بعد قائد اعظمؒ فرماتے ہیں:۔
اس حقیقت سے سوائے جہلاء کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا بنیادی ضابطہ زندگی ہے جو معاشرت، مذہب، تجارت، عدالت، فوج، دیوانی، فوجداری اور تعزیرات کے ضوابط کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مذہبی تقاریب ہوں یا روزمرہ کے معمولات، روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا، اجتماعی حقوق کا سوال ہو یا انفرادی واجبات کا، عام اخلاقیات ہوں یا جرائم، دنیاوی سزا کا سوال ہو یا آخرت کے مواخذہ کا۔ ان سب کے لئے اس میں قوانین موجود ہیں۔ اسی لئے نبی اکرمؐ نے حکم دیا تھا کہ ہر مسلمان قرآن کریم کا نسخہ اپنے پاس رکھے اور اس طرح اپنا مذہبی پیشوا آپ بن جائے۔ (انہیں الگ مذہبی پیشواؤں کی ضرورت نہیں)
(تقاریر، جلد دوم، صفحہ 300)

حیدر آباد (دکن) کے جس انٹرویو کا ذکر پہلے آچکا ہے، اس میں جب طلباء نے یہ سوال کیا کہ " مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟" تو اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا تھا:۔
جب میں انگریزی زبان میں مذہب Religion کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کی رو سے، میرا ذہن لامحالہ خدا اور بندے کے باہمی پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم نہیں۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآن مجیدؐ اور قوانین اسلام کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی، غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات

کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور طریق عمل نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے۔

انہوں نے اپنی اس پکار کو اس شدومد سے دہرایا کہ ہندوستان کا بچہ بچہ اس سے واقف ہو گیا کہ قائد اعظمؒ کس قسم کی مملکت بنانا چاہتے ہیں۔

دشمنوں کی گواہی

یکم نومبر 1941ء کو لدھیانہ میں اکھنڈ بھارت کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت ہندوؤں کے مشہور رہنما مسٹر منشی نے کی۔ انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا:۔

تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ پاکستان ہے کیا؟ نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ پاکستان کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لئے ایسے مسکن بنالیں جہاں طرز حکومت قرآنی اصولوں کے ڈھانچے میں ڈھل سکے اور جہاں اردو ان کی قومی زبان بن سکے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایک ایسا خطہ ارض ہو گا جہاں اسلامی حکومت قائم ہو گی۔

(ٹریبون' 1941ء-11-02)

ضمناً۔ اوائل 1977ء کا ذکر ہے۔ جرمنی میں پاکستان ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام' قائد اعظمؒ کے جشن صد سالہ کی ایک تقریب منائی گئی۔ اس میں ایک جرمن سکالر' پروفیسر ڈاکٹر Krahnan نے اپنی تقریر کے دوران' کہا تھا:۔

قائد اعظمؒ محمد علی کے سامنے ماڈل' قرآن مجید تھا۔ (پاکستان ٹائمز' 3 فروری 1977ء)

یعنی بھارت کے مسٹر منشی اور جرمنی کے سکالر تک تو جانتے تھے کہ قائد اعظمؒ کس قسم کی مملکت بنانا چاہتے تھے۔ لیکن نہیں جانتے تھے تو ہمارے محترم جسٹس محمد منیر صاحب:۔

بوٹا بوٹا پتہ پتہ' حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے' باغ تو سارا جانے ہے

قائد اعظمؒ کی وفات کے بعد' ہندوستان ٹائمز نے اپنی 19 اکتوبر 1948ء کی اشاعت کے مقالہ افتتاحیہ میں لکھا تھا:۔

پاکستان بالخصوص مشرقی بنگال کی اقلیتوں کو اتنا خوف و ہراس اور کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا جتنا اس حقیقت سے کہ پاکستان کے رہنماؤں نے متعدد بار اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی اصول و روایات کے مطابق ایک اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد اس نے کہا:۔

اگر کشمیر کا مسئلہ پر امن طریقے سے طے ہو جائے اور پاکستان اسلامی سٹیٹ کے خیال کو ترک کر دے اور اپنے سامنے ایک جمہوری ریاست کی تشکیل کا نصب العین رکھے تو اس سے پاکستان اور ہندوستان اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوشگوار تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا۔

کیا محترم جسٹس منیر صاحب نے اندازہ فرمایا ہے کہ قائد اعظمؒ اور مخالفین میں باعث نزاع کیا مسئلہ تھا؟ یہ مسئلہ کہ

قائد اعظمؒ اسلامی ریاست بنانا چاہتے تھے اور مخالفین سیکولر سٹیٹ پر زور دیتے تھے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے' ہندو تو اس کے لئے بھی تیار تھا کہ اگر پاکستان اسلامی سٹیٹ بنانے کے دعوے کو ترک کر دے تو وہ اس کے ساتھ مفاہمت کر لے گا۔

ہم نے پہلے کہا ہے کہ قائد اعظمؒ کی طرف سے پیش کردہ مطالبہ پاکستان کی مخالفت' ہندو نے بھی کی تھی اور قومیت پرست مسلمان لیڈروں نے بھی۔ ان میں سرفہرست نیشنلسٹ علماء کا طبقہ تھا۔ اگر ان کی بناء مخالفت سامنے آجائے تو اس سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قائد اعظمؒ کس قسم کی مملکت قائم کرنا چاہتے تھے اور ان کے مخالفین کس قسم کی؟ یہ مخالف علماء باستثناء چند دارالعلوم دیوبند کے مسلک سے متعلق تھے۔ دیوبند کا مسلک کیا تھا' اس کے متعلق متحدہ ہندوستان کے مشہور نیشنلسٹ اخبار "مدینہ" (بجنور) کی 17 اپریل 1963ء کی اشاعت میں' مولانا اسرار احمد آزاد دیوبندی کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا:۔

> یہ الزام بے بنیاد ہے کہ علماء ہند اس ملک میں اسلامی حکومت کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے تعلق رکھنے والے علماء نے کم از کم اس صدی کے آغاز سے ہندوستان میں جمہوری اور سیکولر حکومت کو اپنا واضح نصب العین قرار دے لیا تھا۔

یہ ایک مثال ہی اس حقیقت کے ثبوت کے لئے محکم دلیل ہے کہ یہ لوگ سیکولر حکومت کے قائل تھے اور قائد اعظمؒ اس طرز حکومت کے مخالف اور یہی دونوں میں بناء مخاصمت تھی۔ سیکولر نظام حکومت سے یہ مراد ہوتی ہے کہ اس میں ہر اہل مذہب کو اعتقادات' عبادات' رسوم و رواج اور شخصی قوانین (پرسنل لاز) کی آزادی حاصل ہو اور امور مملکت میں مذہب کو کوئی دخل نہ ہو۔ یہ تھی وہ سیکولر حکومت جس کے داعی نیشنلسٹ علماء تھے۔ اس زمانے میں اس گروہ کے سرخیل' دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمیعت العماء ہند کے صدر (مولانا) حسین احمد مدنی (مرحوم) ان کا ارشاد تھا:۔

> ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو' مسلمان' سکھ' عیسائی سب شامل ہوں' حاصل کرنے کے لئے سب کو متحدہ کوشش کرنی چاہئے۔ ایسی مشترکہ آزادی' اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے اور اسلام میں اس آزادی کی اجازت ہے۔ (زمزم' مورخہ 7 جولائی 1938)

وہ فرماتے تھے:۔

> کانگریس میں ہمیشہ ایسی تجاویز آتی رہتی ہیں اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہب اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس نہ پہنچے۔
>
> (مولانا مدنی کا پمفلٹ۔ متحدہ قومیت اور اسلام' صفحہ 61)

اس کے برعکس' جیسا کہ پہلے دیکھ چکے ہیں' قائد اعظمؒ کا موقف یہ تھا کہ اسلام میں مملکت کی بنیاد مذہب پر ہوتی ہے' اس لئے ان علماء کا یہ مسلک اسلام کے خلاف ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت ‎ ‎ ‎ ‎ نادان یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

قائد اعظمؒ اور ان علماء کے اختلاف کی شدت اس حد تک بڑھ گئی تھی (مولانا) حسین احمد مدنی (مرحوم) نے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر فرما دیا تھا اور مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام قرار دے دیا تھا۔ اس فتویٰ کا جواب (مولانا) شبیر احمد عثمانی نے اپنے ایک مکتوب میں دیا تھا۔ ("رہبر دکن" 19 اکتوبر 1945ء)۔

11 اگست 1947ء کی تقریر

اب آیئے قائد اعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کی طرف' جسے یہ حضرات ترپ کے پتے کے طور پر استعمال کیا کرتے ہیں اور جس پر محترم جسٹس محمد منیر صاحب نے بھی اپنے دعوی کی بنیاد رکھی ہے اور اتنا کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قائد اعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے' بلکہ یہاں تک کہنے میں بھی کچھ باک نہیں سمجھا کہ انہوں نے دو قومی نظریہ کو بھی ختم کر دیا تھا۔ یعنی اتنا ہی نہیں کہ انہوں نے اسلامی مملکت کے تصور کی نفی کر دی تھی' بلکہ سرے سے اس بنیاد ہی کو منہدم کر دیا تھا جس پر تقسیم ہند کی عمارت استوار ہوئی تھی اس تقریر کے سلسلہ میں بات یوں ہوئی کہ جب قائد اعظمؒ کو پاکستان کی پہلی مجلس آئین ساز اسمبلی کا صدر منتخب کیا گیا تو انہوں نے (11 اگست 1947ء کو) اس مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے ایک تقریر فرمائی۔ اس میں انہوں نے پہلے' قبل از تقسیم کے ہندوستان کے کوائف و حوادث پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ وہاں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کس قدر باہمی عداوت کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ وہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور ہندو اکثریت میں' اس لئے وہاں ہمیشہ مسلمانوں کا خون خرابہ ہوتا تھا --- پاکستان میں صورت حال اس کے برعکس ہو گی۔ یہاں مسلمان اکثریت میں ہوں گے اور ہندو اقلیت میں' اس لئے ہندوؤں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اب یہاں ان کے ساتھ وہی کچھ ہو گا جو کچھ وہ وہاں مسلمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ویسے بھی ہندو مورخوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے دور حکومت کا ایسا بھیانک اور دہشت انگیز نقشہ کھینچ رکھا ہے جس سے ہندو عوام خوف و ہراس سے کانپ اٹھتے ہیں۔

بنا بریں' یہاں کا ہندو اس لئے بھی خائف ہو سکتا تھا کہ اب یہاں جو مسلمانوں کی حکومت قائم ہو رہی ہے تو ماضی کی تاریخ کو یہاں بھی دہرایا جائے گا۔ ہم ہندوستان ٹائمز کا اقتباس پہلے درج کر چکے جس میں اس نے کہا تھا کہ پاکستان کے ہندوؤں کے دل میں یہی خطرہ لاحق تھا۔ ان تاثرات کو سامنے رکھتے ہوئے قائد اعظمؒ نے اپنی تقریر میں ہندوؤں کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان میں ایسا نہیں ہو گا۔ انہوں نے جملہ اہل پاکستان کو مخاطب کر کے فرمایا :-

> ------تم آزاد ہو' تمہیں اس امر کی کامل آزادی ہے کہ تم اپنے مندروں میں جاؤ یا مسجدوں میں' یا مملکت پاکستان میں کسی اور پرستش گاہ میں۔ تمہاری ذات یا مسلک کچھ بھی ہو' اس کا امور مملکت سے کچھ تعلق نہیں ہو گا۔

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ (اور تو اور) انگلستان کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ وہاں عیسائیوں ہی کے دو فرقوں ---- رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ---- میں کس قدر کشت و خون ہوا کرتا تھا۔ لیکن اس مملکت نے' اپنی کامل ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے رفتہ رفتہ منافشات کو مٹا دیا اور " اب تم پورے انصاف سے کہہ سکتے ہو کہ وہاں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ نہیں' بلکہ ایک مملکت کے شہری بستے ہیں ۔" اسی طرح :-

> میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اپنے سامنے یہ نصب العین رکھنا چاہئے کہ ایک وقت کے بعد یہاں نہ ہندو' ہندو رہے گا' نہ مسلمان' مسلمان --- مذہبی نقطہ نگاہ سے نہیں' کیونکہ وہ ہر فرد کے ذاتی عقیدہ کا سوال ہے۔ ایسا' ان سب کے پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے' سیاسی نقطہ نگاہ سے ہو گا۔

یہ ہیں قائد اعظمؒ کے وہ الفاظ جنہیں سپر بنا کر یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تشکیل پاکستان کے فوری بعد دو قومی نظریہ کو بھی خیر باد کہہ دیا تھا اور اسلامی مملکت کے تصور کی تردید کر کے اسے سیکولر بنانے کا اعلان کر دیا تھا۔ اگر

قائد اعظمؒ کہیں مریخ سے ٹپکے ہوتے اور انہوں نے پہلے پہل یہ الفاظ کہے ہوتے تو اس تقریر سے اس قسم کے استنباط کا شائبہ ہو سکتا تھا۔ لیکن جس شخصیت کی اس سالہ (تحریک پاکستان کی) زندگی اور اس دوران میں اس کے صدہا صفحات پر مشتمل بیانات، تقاریر، اعلانات ہمارے سامنے ہوں، اس کی طرف ان نتائج کو منسوب کرنا جس قدر زیادتی ہے، اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب ان لوگوں سے اس دلیل کا جواب نہیں بن پڑتا تو وہ (نہایت دیدہ دلیری سے) کہہ دیتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ قائد اعظمؒ اس سال تک یہ دعویٰ کرتے رہے لیکن وہ درحقیقت ایک وکیلانہ حربہ تھا جسے انہوں نے اپنا مقدمہ جیتنے کے لئے اختیار کیا تھا۔ جب کیس کا فیصلہ ان کے حق میں ہو گیا تو اس حربہ کی ضرورت نہ رہی۔ ایسا کہنے والے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ وہ یہ کچھ کس شخص کے متعلق کہہ رہے ہیں؟ ہم بربنائے عقیدت نہیں کہتے، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ جو شخص قائد اعظمؒ کے کیریکٹر کے متعلق کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، وہ ان کے خلاف اس قسم کے الزام عائد کرنے کی جرات کبھی نہیں کر سکتا۔ حق گوئی اور بے باکی ان کے کردار کی ایسی خصوصیات تھی، جس کا اعتراف ان کے دشمنوں تک کو تھا۔ لندن ٹائمز نے ان کی وفات پر لکھا تھا:۔

> قائد اعظمؒ نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونے کے طور پر پیش کر کے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان میں وہ لچک نہیں تھی جو انگریزوں کے نزدیک، ہندوستانیوں کا خاصہ ہے۔ ان کے تمام خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت، واضح اور شفاف ہوتے تھے۔ ان کے دلائل میں ہندو لیڈروں جیسی حیلہ سازی نہیں تھی۔

قائد اعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کو تقریر کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ انہوں نے جب مجلس آئین ساز سے خطاب کیا تھا تو ملک کے حالات کیا تھے۔ (جیسا کہ محترم جسٹس نے خود اپنی کتاب میں تسلیم کیا ہے) تقسیم ہند کے ساتھ ہی ہندوستان میں ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ اس سے وہاں کے مسلمانوں کے دل میں خوف و دہشت کے ایسے جذبات ابھرے کہ انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ پاکستان میں آکر پناہ لے لیں۔ لیکن ان وحشی درندوں نے ان نہتے قافلوں کو بھی نہ چھوڑا۔ راستہ بھر قتل و غارتگری کی وارداتیں ہوتی رہیں۔ ان کی نوجوان لڑکیوں کو ہزاروں کی تعداد میں چھین جھپٹ کر لے گئے۔ ان کے معصوم بچوں کو نیزوں کی انیوں پر اچھالا گیا اور تو اور دلی سے جو گاڑیاں خود حکومت کے عملہ کو لے کر روانہ ہوئیں (میں بھی انہیں میں شامل تھا) یہاں پہنچنے پر ان میں سے زندہ انسانوں کی بجائے لاشوں کے ٹکڑے برآمد ہوئے۔ ظاہر ہے کہ ان وحشیانہ مظالم کا ردعمل پاکستان کے بعض حصوں میں بھی ہوا اور اس سے یہاں کے غیر مسلم باشندوں (بالخصوص ہندوؤں) کے دل میں خوف و ہراس، بے اعتمادی اور بے یقینی کے وساوس پیدا ہوئے۔ آپ سوچئے کہ ایک ایسی مملکت جس کی عمر ابھی ایک دن کی بھی نہ ہوئی ہو اس قسم کے لرزہ خیز حالات سے دوچار ہو۔ پھر اس کے کیفیت یہ ہو کہ اس کے پاس (ابھی) نہ اپنی فوج ہو، نہ اسلحہ، نہ سامان ہو نہ پیسہ، تو اس کے سربراہ کے دل پر اس سے کیا نہ گزرتی ہو گی؟ اس کے ساتھ اسے بھی ذہن میں رکھئے کہ پاکستان کے اندر خود ایسے عناصر موجود تھے جو ایک طرف یہاں کے غیر مسلموں کے دل میں خوف و ہراس پیدا کر رہے تھے، اور دوسری طرف انہیں اشتعال بھی دلا رہے تھے۔ ہندوستان کے اخبارات یہاں کی غیر مسلم اقلیتوں کے خلاف مظالم کی فرضی داستانیں بیان کر کے وہاں کے مسلمانوں کے خلاف انتقام کی آگ کو تیز سے تیز تر کرتے چلے جا رہے تھے۔ اس کے لئے نہایت ضروری تھا کہ یہاں غیر مسلم اقلیتوں کو پورا پورا یقین دلایا جائے کہ وہ یہاں ہر

طرح سے محفوظ رہیں گی اور مذہب کی بنا پر ان سے کوئی ناروا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ یہ تھے وہ حالات جن میں قائد اعظمؒ کو پاکستان میں پہلی تقریر کرنی پڑی۔ قائد اعظمؒ بڑی متوازن شخصیت کے حامل تھے۔ وہ عام طور پر جذبات سے مغلوب نہیں ہوا کرتے تھے۔ لیکن جن حالات سے اس وقت ملک دوچار تھا اور اتنی عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ اس مملکت پر آپڑا تھا' اس کے سربراہ کا ان سے متاثر ہو جانا کوئی غیر فطری امر نہیں تھا۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے وہ غیر مسلموں کو یقین دلانا چاہتے تھے کہ انہیں یہاں اسی قسم کی حفاظت ملے گی جیسی مسلمانوں کو۔ انہوں نے اپنی تقریر میں جو کچھ کہا تھا اس سے ان کا مقصد یہی تھی۔ لیکن (ہمیں اعتراف ہے کہ وہ اپنے معمول کے خلاف) شدت جذبات میں الفاظ کے انتخاب میں کماحقہ' احتیاط نہ برت سکے۔ بایں ہمہ' ان الفاظ سے یہ مستنبط کرنا کہ جس نظریہ کی رو سے انہوں نے دس سال تک ہندو اور انگریز سے جنگ کر کے پاکستان حاصل کیا تھا وہ اسے پہلے ہی دن نذر آتش کر دیں گے' بڑی زیادتی ہے۔ کوئی باہوش انسان اسے باور نہیں کرے گا۔

آیئے ہم لگے ہاتھوں یہ بھی دیکھیں کہ قائد اعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کا مفہوم خود غیر مسلم اقلیتیں کیا سمجھتی تھیں۔ کیا انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ اس سے قائد اعظمؒ مسلموں اور غیر مسلموں کی متحدہ قومیت کا اعلان کر کے سیکولر سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے' یا یہ کہ اس سے مقصود غیر مسلم اقلیتوں کا تحفظ تھا؟ ..... مسٹر جوشوا فضل الدین ایک مشہور مسیحی لیڈر تھے (ان کا چند سال پہلے ادھر انتقال ہوا ہے) جب صدر ایوب (مرحوم) نے لاکمیشن کا تقرر کیا تو مسٹر جوشوا نے اس سوال پر بحث کی تھی کہ مجوزہ آئین کی بنیاد کیا ہونی چاہیئے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا۔ جس کا عنوان تھا -- Rationale of Pakistan Constitution اس میں انہوں نے پہلے یہ واضح کیا تھا کہ 1940ء کی قرار داد پاکستان کی رو سے مملکت پاکستان کے دو بنیادی ستون ہیں۔ یعنی .....

1۔ مملکت پاکستان کی بنیاد مذہب پر ہو گی۔ یہی وہ قدر مشترک ہے جو مشرقی اور مغربی بازوؤں میں وحدت پیدا کرنے کا موجب بن سکتی ہے۔ اور بنیاد کیا ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا۔ جس کا عنوان تھا۔ Rationale of Pakistan Consitution اس میں انہوں نے پہلے یہ واضح کیا تھا کہ 1940ء کی قرار داد پاکستان کی رو سے مملکت پاکسان کے دو بنیادی ستون ہیں۔ یعنی .....

1۔ مملکت پاکستان کی بنیاد مذہب پر ہو گی۔ یہی وہ قدر مشترک ہے جو مشرقی اور مغربی بازوؤں میں وحدت پیدا کرنے کا موجب بن سکتی ہے اور وحدت پیدا کرنے کا موجب بن سکتی ہے اور

اقلیتوں کے لئے تحفظات

اس کے بعد مسٹر جوشوا نے کہا تھا کہ مجوزہ آئین کی یہ دونوں شرائط پوری کرنی چاہیں۔ اس کے بعد انہوں نے قائد اعظمؒ کی 11 اگست 1947ء (اور اس کے ساتھ 14 اگست 1947ء) کی تقریر کے اقتباسات دے کر یہ کہا تھا کہ ان کی تعبیر میں انتہا پسندانہ رویہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قائد اعظمؒ کا مقصد یہ تھا کہ یہاں نہ ہندو' ہندو ہے۔ نہ مسلمان' مسلمان۔ بلکہ دونوں کے امتزاج سے ایک متحدہ قوم **متشکل** ہو جس کا لازمی نتیجہ سیکولر انداز حکومت ہو جائے وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ مسٹر جوشوا نے ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:۔

یہ کہنا کہ تخلیق پاکستان کے بعد قائد اعظمؒ نے --- جو خود اس پاکستان کے خالق تھے---- اپنی پہلے ہی تقریر میں کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جس سے اس بات کا دور کا بھی امکان ہے کہ اس سے پاکستان کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی' بالکل پاگل پن ہے۔ قائد اعظمؒ نے اتنا ہی کہا تھا کہ پاکستان میں بلا لحاظ مذہب و ملت ہر ایک کو مساوی حقوق شہریت حاصل ہوں گے۔

اگست 1947ء کے بعد

اس کے بعد مجھے صرف اتنا اور کہنا ہے کہ اگر یہ تقریر قائد اعظمؒ کی زندگی کی آخری تقریر ہوتی تو پھر بھی اس مغالطہ آفرینی کی گنجائش نکل سکتی تھی کہ وہ جو کچھ دس سال تک کہتے رہے تھے' آخر میں وہ اس سے تائب ہو گئے تھے۔ اس لئے اب سند ان کی آخری تقریر ہی ہو سکتی ہے۔ حسن اتفاق کہ قائد اعظمؒ اس کے بعد بھی ایک سال تک زندہ رہے۔ اور (اگرچہ ان کا یہ تمام عرصہ انتہائی نازک بیماری کے عالم میں گزرا لیکن بایں ہمہ) انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں پھر اس کی وضاحت کر دی کہ پاکستان کس قسم کی سٹیٹ ہو گی۔ انہوں نے فروری 1948ء میں' اہل امریکہ کے نام جو پیغام براڈ کاسٹ کیا تھا' اس کا ایک حصہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ انہوں نے اس کے شروع میں کہا تھا:۔

مملکت پاکستان' جو دس کروڑ مسلمانوں کے حسین نصب العین کا ایک حد تک حصول ہے' 15 اگست 1947ء کو وجود میں آگئی تھی۔ یہ دنیا میں سب سے بڑی اسلامک سٹیٹ اور تمام دنیا کی مملکتوں میں پانچویں درجہ پر ہے۔ (تقاریر بحیثیت گورنر جنرل' 63)

مجھے ایک بار پھر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ محترم جسٹس منیر صاحب نے جس طرح اس براڈ کاسٹ کا وہ حصہ حذف کر دیا تھا جس میں قائد اعظمؒ نے بتایا تھا کہ تھیاکریسی کسے کہتے ہیں اسی طرح انہوں نے اس براڈ کاسٹ کا جو اقتباس اپنی کتاب میں دیا ہے (صفحہ 31-30) اس میں اسلامک سٹیٹ کے الفاظ بھی درج نہیں کئے کیونکہ یہ ان کے دعویٰ کی ساری عمارت کو منہدم کر دیتے تھے۔

قائد اعظمؒ نے اسی ماہ (فروری 1948ء میں) آسٹریلیا کے باشندوں کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں فرمایا تھا:۔

مغربی پاکستان' مشرقی پاکستان سے تقریباً" ایک ہزار میل کے فاصلہ پر ہے اور ان کے درمیان مملکت ہند کا علاقہ حائل ہے۔ بیرون ممالک کے ایک طالب علم کے دل میں جو پہلا سوال ابھرے گا وہ یہ ہو گا کہ (ایسی مملکت کا قیام) کس طرح ممکن ہو گا۔ ایسے دو خطوں میں' جن میں اس قدر بعد ہو' وحدت حکومت کس طرح ممکن ہو گی میں اس سوال کا جواب صرف ایک لفظ میں دوں گا جو یہ ہے:۔

ایسا' ہمارے ایمان کی رو سے ہو گا۔ ایمان خدا پر' ایمان اپنے آپ پر' ایمان مستقبل پر' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ ہم سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں وہ ایسے مختصر سے جواب کا پورا پورا مفہوم سمجھ نہ سکیں گے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل بھی بیان کر دوں۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا:۔

پاکستان کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ہم محمدؐ رسول اللہ کی تعلیم کے پیرو ہیں۔ ہم اس

اسلامی برادری کے ارکان ہیں جن میں حقوق' شرف و احترام اور تکریم ذات کے اعتبار سے تمام افراد برابر ہوتے ہیں۔ بنابریں' ہم میں اخوت اور وحدت کا بڑا گہرا جذبہ ہے۔ ہماری اپنی تاریخ ہے اور اپنی رسوم و روایات ہم اپنے اسالیب فکر' نقطہ نگاہ اور احساس دروں کے مالک ہیں اور یہی ہیں وہ عوامل :۔ قومیت کی تشکیل کا مدار بنتے ہیں۔

(تقاریر بحیثیت گورنر جنرل' صفحہ 58)

اگر ہم مملکت پاکستان کی بنیاد قرآن مجید پر رکھتے اور اس کی تعلیم کو عام کرتے جاتے تو ہو نہیں سکتا تھا کہ مشرقی پاکستان علیحدہ ہو جاتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کے رشتے امت واحدہ ہونے کے اصول و نظریہ کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا اور وطن اور نسل کی تفریق کے تصور کو عام ہونے دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ تشتت و افتراق تھا۔

" ایمان' ایمان خدا پر' ایمان اپنے آپ پر' ایمان اپنے مستقبل پر " یہ تھی وہ اساس محکم جس پر مملکت پاکستان کی یہ رفیع و عظیم استوار ہوئی تھی۔ مجھے ایک بار پھر (بصد تاسف) کہنا پڑتا ہے کہ محترم منیر صاحب نے اپنی کتاب میں اس تقریر کا جو اقتباس دیا ہے۔ (صفحہ 31) اس میں وہ حصہ نقل نہیں کیا جس میں ایمان کا ذکر ہے۔ قائد اعظمؒ نے 7 اپریل 1948ء کو گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں ایک قبائلی جرگہ کے ساتھ گفتگو کے دوران فرمایا :۔

ہم مسلمان' ایک خدا' ایک کتاب (قرآن مجید) اور ایک رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے ہمیں ایک قوم کی حیثیت سے صف بستہ کھڑے ہونا ہو گا۔ (تقاریر گورنر جنرل' صفحہ 126)

انہوں نے 14 فروری 1948ء کو **سبی** دربار میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

میرے پیش نظر ہمیشہ اسلامی ڈیموکریسی کا اصول رہا ہے۔ یہ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا راز ان سنہرے اصولوں کے اتباع میں ہے جنہیں ہمارے مقنن اعظم' حضور نبی کریمؐ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا' ہمیں اپنی ڈیموکریسی کی بنیاد حقیقی اسلامی نظریات اور اصولوں پر رکھنی چاہئے۔

(تقاریر گورنر جنرل صفحہ 56)

تقسیم ہند کے عواقب میں' جب انگریز' ہندو اور سکھوں کی سازش نے ہمارے خلاف قیامت برپا کر دی تھی تو قوم شکستہ خاطر سی ہو رہی تھی عین اس حالت میں آپ نے 30 اکتوبر 1947ء کو یونیورسٹی گراؤنڈ لاہور میں تقریر کرتے ہوئے قوم کا حوصلہ بندھایا اور کہا کہ یاد رکھو :۔

ایسے نامساعد حالات میں بھی اگر ہم نے قرآن مجید سے بصیرت اور راہنمائی حاصل کی تو میں ایک بار پھر یہ کہتا ہوں کہ آخر الامر فتح ہماری ہی ہو گی۔ (تقاریر گورنر جنرل صفحہ 30)

میں پوچھنا چاہتا ہوں ارباب بصیرت سے کہ سیکولر سٹیٹ کا مدعی کیا اس قسم کے نظریات پیش کرے گا؟ اس موضوع پر کہنے کو تو ابھی بہت کچھ اور بھی کہا جا سکتا ہے اور میں گذشتہ تیس سال سے اس پر لکھتا چلا آرہا ہوں .... لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں جاتے جاتے البتہ' ایک اور تاسف کا اظہار بھی ناگزیر ہے۔ محترم جسٹس فرماتے ہیں کہ

قائد اعظمؒ نے آئیڈیالوجی آف پاکستان (نظریہ پاکستان) کے الفاظ کبھی استعمال نہیں کئے تھے۔ تشکیل پاکستان

کے پندرہ سال بعد تک بھی کوئی شخص ان الفاظ سے واقف نہیں تھا۔ (صفحہ 28)

قائد اعظمؒ پاکستان کے اسلامک سٹیٹ ہونے کے متعلق جو کچھ دس سال تک کہتے رہے اس کے بعد اس کی چنداں اہمیت نہیں رہتی کہ انہوں نے اس خاص اصطلاح نظریہ پاکستان کو استعمال کیا تھا یا نہیں' لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ انہوں نے ان الفاظ کو بھی استعمال کیا تھا۔ مثلاً" انہوں نے ایسوسی ایٹڈ پریس امریکہ نمائندے کو 8 نومبر 1945ء کو انٹرویو دیتے ہوئے جہاں یہ کہا کہ

پاکستان ایک مسلم سٹیٹ ہوگی

وہاں نظریہ پاکستان Theory of Pakistan کے الفاظ بھی استعمال کئے تھے۔

(تقاریر قائد اعظمؒ' جلد دوم' صفحہ 327-326)

پاکستان سے صرف حریت اور آزادی مراد نہیں۔ اس سے فی الحقیقت مراد "مسلم آئیڈیالوجی" ہے جس کا تحفظ ضروری ہے۔ (تقاریر قائد اعظمؒ' جلد دوم' صفحہ 263)

علاوہ ازیں انہوں نے اسلامک آئیڈیلز قسم کے الفاظ متعدد بار استعمال کئے تھے۔ باقی رہا تشکیل پاکستان کے بعد پندرہ سال کا عرصہ' تو اگرچہ اس سوال کا قائد اعظمؒ کی ذات سے کوئی تعلق نہیں لیکن اگر کوئی دیکھنا چاہے تو کم از کم طلوع اسلام کے فائل ہی دیکھ لے' جس میں "اسلامی آئیڈیالوجی" (نظریہ پاکستان) پر تفصیلی بحث موجود ہے۔

———☆———

جیسا کہ میں شروع میں عرض کر چکا ہوں' ان تصریحات سے میرا مقصد اس تقصان کے ازالہ کی حسب استطاعت کوشش ہے جو پاکستان اور بانی پاکستان کے خلاف اس قسم کے پروپیگنڈا کے ذریعے پہنچایا جا رہا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میری یہ تنہا اور نحیف سی آواز اس شور و شغب کی کمانقہ' حریف نہیں ہو سکتی جو اس مقصد کے لئے ملک کے گوشے گوشے میں بپا کیا جا رہا ہے۔ لیکن مجھے تو بہرحال اپنا فریضہ ادا کرنا ہے۔ یہ پروپیگنڈہ کتنے وسیع پیمانے پر عام کیا جا رہا ہے' اس کا انداز ذیل کے ایک خط سے لگائیے جو حال ہی میں مجھے طلوع اسلام کے ایک قاری کی طرف سے موصول ہوا ہے:۔

ہفت روزہ الفتح کراچی' شمارہ 28 ستمبر (18-11) 1980ء میں صفحہ 2 پر ایک مراسلہ زیر عنوان قائد اعظمؒ کیسا نظام حکومت چاہتے تھے—— نظر سے گزرا۔ اس کی نقل بعینہ درج ذیل ہے:۔

ممتاز سیاسی رہنما عبد الرحمٰن صدیقی (مرحوم) ناقل ہیں کہ "تقسیم ہند سے چند روز قبل نئی دہلی نمبر 10۔ اورنگ زیب روڈ کا واقعہ ہے کہ ڈنر کی میز پر راجہ صاحب (محمود آباد) نے قائد اعظمؒ سے دریافت کیا "پاکستان کا نظام حکومت کیا ہو گا؟" قائد اعظمؒ نے پوچھا۔ آپ کے خیال میں کیا ہونا چاہیے؟ راجہ صاحب نے جواب دیا۔ اسلامی اور ملت کا سب سے زیادہ دیندار' متقی' عالم باعمل' صالح ترین شخص کو ہمیشہ ملک کا سربراہ بنایا جائے۔"

قائد اعظمؒ نے کہا۔ "تم بیسویں صدی میں قرون وسطیٰ کے حالات کا تصور کر رہے ہو۔ پاکستان میں سیکولر جمہوریت قائم ہو گی۔"

راجہ صاحب بولے۔ "سر! میں نے اتنے برس مسلم لیگ کی جدوجہد محض ایک اسلامی مملکت اور اسلامی آئین کے نصب العین کو سامنے رکھ کر کی تھی۔" کون سے اسلام کا؟ اسلام میں بہتر فرقے ہیں۔" قائد اعظمؒ نے دریافت کیا۔ راجہ

صاحب خاموش ہو گئے۔ (کار جہاں دراز ہے' جلد دوم' صفحہ 272-271' از قرۃ العین حیدر)

اس وقت نہ عبدالرحمٰن صدیقی دنیا میں موجود ہیں نہ راجہ صاحب محمود آباد اور نہ قائد اعظمؒ محترمہ قرۃ العین حیدر بھارت فرار ہو چکی ہیں اور وہاں جا کر انہوں نے لکھا تھا کہ وہ خود دو قومی نظریئے پر یقین نہیں رکھتی تھیں۔ اب فرمائیے کہ ہمارے پاس' ڈنر کے میز پر اس ٹیبل ٹاک کی تصدیق کا کون سا ذریعہ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کو مسخ ہی اس قسم کی روایات کی رو سے کیا جاتا ہے۔ اسی لئے میں نے شروع میں کہا تھا کہ قائد اعظمؒ (یا کسی اور) کی طرف ان کی صرف ان باتوں کو منسوب کرنا چاہئے جو ان کی زندگی میں محفوظ ہو گئی ہوں۔ اس قسم کی وضعی روایات ہی نے تو ہمیں تباہ کیا ہے۔ مندرجہ بالا ایک روایت' ان تمام مجلدات کو غرقاب کر دینے کے لئے کافی ہے جو قائد اعظمؒ کی تقاریر' بیانات' خطابات' سے بھرپور ہیں۔ افسانہ ہمیشہ حقیقت سے زیادہ دلکش اور موثر ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے تیس پاروں میں اپنی جامعہ تعلیمات کو مکمل کرنے کے بعد' جن الفاظ پر اس کتاب عظیم کا اختتام کیا ہے وہ وسوسہ انگیزی کے شر سے پناہ مانگنے کی دعا ہے۔ **من شر الواسواس الخناس** (114/4) افسانے وسوسہ انگیزی کا بڑا کامیاب حربہ ہوتے ہیں۔ ان سے افراد ہی نہیں' قوموں کی قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ پاکستان ہندوؤں کی تنگ نظری کی وجہ سے وجود میں آیا تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ اس کے محرکات سب معاشی تھے۔ کراچی کے ایک پروفیسر قمرالدین خان صاحب دس قدم آگے بڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اسلامی مملکت یا سیاسی نظام کا اشارہ تک نہیں ملتا اور انبیاء کرامؑ صرف پرستش کے طور طریقے سکھانے کے لئے آیا کرتے تھے۔ انہوں نے سرے سے منٹھی ختم کر دیا۔ (ان کا مقالہ روزنامہ ڈان کے اس ضمیمہ میں چھپا تھا جو اگست 1980ء کے یوم آزادی کی تقریب پر شائع ہوا تھا)۔

یہ ہے وہ پروپیگنڈا جو آجکل بڑی شدومد سے جاری ہے۔ ہم اس باب میں اس سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ اس خطہ زمین کو اپنی حفاظت میں رکھے جسے ہم نے "مسجد" تعمیر کرنے کے لئے حاصل کیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس پر ابھی تک "مسجد" تعمیر نہیں ہو سکی۔ اور جنہوں نے اس کی تعمیر کے لئے اس خطہ کے حصول کے لئے تگ و تاز کی تھی' (اور ان میں سے جو "اس کے غبار کاروں کی طرح" ہنوز زندہ ہیں) وہ اپنی اسی حسین خواب کی تعبیر کے اتظار کے سہارے جی رہے ہیں۔ لیکن اگر (خدانہ کرے) یہ خطہ زمین ہی محفوظ نہ رہا تو "تعمیر مسجد" کا امکان ہی ختم ہو جائے گا۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری! اور یہی ان پاکستان دشمن کوششوں کا مقصود ہے۔

اس مقالہ کے شائع ہونے کے بعد' مجھے' ملک اور بیرون ملک کے دور دراز گوشوں سے خطوط موصول ہوئے جن میں کہا گیا کہ جن حقائق کا میں نے انکشاف کیا ہے وہ ان کے علم میں پہلی مرتبہ آئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ملک کے ذرائع ابلاغ (پریس) نے میرے خیالات کے گرد جو حصار کھینچ رکھا ہے' اس مقالہ کی (نوائے وقت) میں اشاعت سے اس میں شگاف پڑا۔ اور اس طرح میرے خیالات' طلوع اسلام کے حلقہ سے باہر' دور دراز خطوں تک پہنچ گئے۔ ان خطوط میں ایک مطالبہ بطور قدر مشترک سامنے آتا ہے۔ ان میں کہا گیا ہے کہ میں ذرا وضاحت سے بتاؤں کہ تھیاکریسی' سیکولرازم اور اسلامی مملکت میں کیا فرق ہے؟ میں ان موضوعات پر (پاکستان میں) گذشتہ تیس (30) سال سے لکھتا چلا آرہا ہوں۔ لیکن چونکہ یہ مطالبہ ان گوشوں سے موصول ہوا ہے جن تک (اغلباً) اس سے پہلے میرے خیالات نہیں پہنچے' اس لئے میں مختصر الفاظ میں اس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

تھیاکریسی کا تصور تو پرانا ہے۔ لیکن اسے بطور نظام حکومت' عیسائی کلیسا (چرچ) نے یورپ میں رائج کیا۔ عیسائیت میں حکومت کا تصور تک نہیں۔ نہ ہی (موجہ) انجیل میں قوانین دیئے گئے ہیں۔ اس لئے عیسائی پادریوں کی حیثیت مشنریوں (مبلغین) سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ جب بعض بادشاہوں نے عیسائیت قبول کی تو پادریوں کے دل میں بھی جذبہ اقتدار پرستی نے انگڑائی لی۔ انہوں نے بادشاہوں سے

سمجھوتہ کیا کہ احکام و قوانین کو احکام خداوندی کہہ کر پکارا جائے اور انہیں نافذ کرنے والے حکمرانوں کو شریعت خداوندی کے محافظ قرار دیا جائے۔ اس سے ایک طرف، مذہبی پیشوائیت کے جذبہ اقتدار کی تسکین کا سامان فراہم ہو گیا اور دوسری طرف، حکمرانوں کو مقبولیت عامہ حاصل ہو گئی، کیونکہ عوام مذہب پرست تھے اور مذہب کے محافظ ان کے نزدیک خدائی اختیارات اور الوہیاتی احترام و تقدیس کے حامل (انگلستان کے بادشاہ یا ملکہ کو آج تک Defender of the Faith کہہ کر پکارا جاتا ہے) —— مذہب اور حکومت کی اس ملی بھگت کو تھیاکریسی (یعنی حکومت خداوندی) سے تعبیر کیا گیا۔ اس نظام حکومت میں انسانیت ظلم و استبداد کے جس جہنم میں مبتلا رہی، اس کے تصور تک سے (ہمارا آپ کا ہی نہیں) ہلاکو اور چنگیز خاں تک کا کلیجہ دہل جاتا ہے۔ نوع انسان کی تاریخ میں، تھیاکریسی سے بدتر دور کبھی نہیں آیا۔ ہلاکو اور چنگیز خاں کے دل میں شائد کبھی کھٹک پیدا ہو جاتی ہو کہ ہم بے گناہوں پر کیوں ظلم کر رہے ہیں۔ لیکن جو ظلم و تشدد خدا کے نام پر بپا کیا جائے اس سے تو ظالم اور مستبد حکمران اطمینان ہی نہیں، فخر محسوس کرتا ہے کہ میں خدائی مشن پورا کر رہا ہوں۔

مختصر الفاظ میں تھیاکریسی سے مراد ہے ایسا نظام حکومت جس میں انسانوں کے وضع کردہ احکام و قوانین کو احکام خداوندی کہہ کر نافذ کیا جائے اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو مرتد قرار دے کر حوالہ دار و رسن کر دیا جائے۔ ان مظالم کی بنا پر تھیاکریسی کے خلاف جو رد عمل ہوا اسے سیکولرازم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نظام کے حامیوں نے کہا کہ مذہب کو مملکت اور حکومت سے کوئی واسطہ نہیں۔ مذہب کا دائرہ گرجا کی چار دیواری تک محدود ہے۔ مملکت کے معاملات، قوم کی منشا کے مطابق، کسی قسم کی حدود و قیود کے بغیر، آزادانہ طے پا جائیں گے۔ انہوں نے مذہب کے لبادہ کے ساتھ اخلاقی اقدار و اصول کی "صدری" کو بھی اتار کر دور پھینک دیا۔ یہ ہے کہ سیکولر نظام حکومت جس میں قانون سازی کے کلی اختیارات، کسی قسم کی حدود و شرائط کے بغیر، قوم (انسانوں) کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ نظام حکومت (کم و بیش) ساری دنیا میں رائج ہے (اور ساری دنیا کے ہاتھوں نالاں بھی ہے)

جب انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی تو انہوں نے دیکھا کہ اس ملک کے باشندے سخت قسم کے مذہب پرست واقعہ ہوئے ہیں۔ اس بنا پر انہوں نے سوچا کہ یہاں یورپ کی شکل کی سیکولرازم چل نہیں سکے گی۔ انہوں نے اس میں یہ ترمیم کی کہ قوانین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک شخصی قوانین Personal laws اور دوسرے، ملکی قوانین Public Laws انہوں نے کہا کہ شخصی قوانین کی حد تک ہر شخص کو آزادی ہو گی کہ وہ اپنے عقیدہ اور مسلک کے مطابق ان کا اتباع کرے۔ لیکن پبلک لاز میں مذہب کو کوئی دخل نہیں ہوگا۔ یعنی انہوں نے، پرسنل لاز کی حد تک، تھیاکریسی رائج کر دی اور پبلک لاز کے لئے سیکولرازم۔ ہمارے مذہب پرست طبقہ نے اسے مذہبی آزادی سے تعبیر کیا اور اس کے لئے سلطنت **انگلشیہ** کا بے حد شکر گزار ہوا۔ تحریک پاکستان کے دوران، یہی موقف (ہندوؤں اور) نیشنلسٹ علماء کا تھا اور اس کو ساتھ لے کر وہ پاکستان آئے۔ ان کے برعکس اقبالؒ اور قائد اعظمؒ نے اسلامی مملکت کا تصور اور مطالبہ پیش کیا۔

اسلامی مملکت میں حق حکومت نہ مذہبی پیشوائیت کو حاصل ہوتا ہے نہ ملک کے دیگر باشندوں کو۔ یعنی وہ تھیاکریسی، سیکولرازم یا انگریزوں کی وضع کردہ تھیاکریسی + سیکولرازم، سب کے خلاف ہوتی ہے۔ اس میں حق حکومت خدا کی کتاب (قرآن مجید) کو حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں وہ اصول اور اقدار دیئے گئے ہیں جو ابدی اور غیر متبدل ہیں۔ مملکت کا فریضہ ان اصول و اقدار کو نافذ کرنا ہوتا ہے۔ ان کی تنفیذ کے طور طریقے قوم (امت) کے باہمی مشورہ سے طے کئے جاتے ہیں۔ انہیں آپ جزئی قوانین کہہ لیجئے۔ شرط اس میں بھی یہ ہوتی ہے کہ یہ، قرآن کے کسی اصول و اقدار سے ٹکرائیں نہیں۔ ان میں پبلک لاز اور پرسنل لاز کی کوئی تفریق اور تمیز نہیں ہوتی۔ پبلک لاز کی طرح ان سب کا اطلاق ملک کے تمام مسلم باشندوں پر یکساں ہوتا ہے۔ یہ قوانین زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہیں گے۔ اور قرآنی اصول و اقدار (جنہیں حدود اللہ کہہ لیجئے) ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے۔ اس مشاورت کی عملی شکل کیا ہوگی، اسے

بھی امت' باہمی مشورہ سے (مندرجہ بالا شرط کے تحت) خود طے کرے گی۔

یہ ہیں اسلامی مملکت کے نمایاں خط و خال۔ قرآن کریم نے یہ نص صریح کہہ دیا ہے کہ اس کے سوا جو نظام حکومت بھی ہے' وہ کافرانہ نظام ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○

جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہی کافر ہیں۔ (5/44)

ان تصریحات سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آگئی ہو گی کہ جو چیز اسلامی نظام مملکت کو غیر اسلامی نظام سے متمیز اور ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون سازی کے اختیارات ان اصول و اقدار خداوندی سے مشروط اور ان کے تابع ہوتے ہیں۔ جنہیں حدود اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ حدود منزل من اللہ ہوتے ہیں اور ابدی اور غیر متبدل۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو متعدد مقامات میں دہرایا ہے۔ سورہ الانعام میں ہے:

۔۔۔ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ ۔۔۔ (6/116)

تیرے رب کے اصول و قوانین صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے۔ اب انہیں کوئی اتھارٹی تبدیل نہیں کر سکتی۔ (نیز 18/276/34)

سورہ یونس میں ہے لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۔ (10/64) "قوانین و حدود خداوندی میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔" اس کے برعکس' دنیا کے ہر نظام میں (خواہ وہ ملوکیت ہو خواہ آمریت اور خواہ مغرب کی جمہوریت) قانون سازی کے اختیارات پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی۔ یہی بنیادی تخصیص' اسلامی اور غیر اسلامی نظام میں مابہ الامتیاز ہے (سیکولر نظام کے حامیوں کی طرح) جسٹس منیر صاحب' غیر متبدل اصول و حدود کو نہیں مانتے۔ 18 جنوری 1975ء کے پاکستان ٹائمز میں ان کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا:

قانون تغیر ایک فطری اصول ہے جو تمام کائنات کو محیط ہے۔ ایک ذرہ ناچیز سے لیکر' بڑے سے بڑے کرہ فلکی تک' حرکت اور تغیر کی حالت میں **مستقلاً** سرگرداں ہیں۔ ہم بھی' جو اس عظیم کائنات کے ایک ذرا سے گوشے کے مکین ہیں' اسی قانون تغیر کے زیر اقتدار زندگی بسر کرتے ہیں۔ (ہمارے) اس بیان کی صداقت کے لئے آپ گزشتہ تاریخ پر نظر ڈالئے۔

شیکسپیئر نے کہا تھا:

غیر اور شر فی ذاتہ کچھ نہیں۔ یہ ہمارا زاویہ نگاہ ہے جو کسی بات کو خیر قرار دیتا ہے' کسی کو شر۔ (جیسا کہ ہم خیال کریں وہ سے ویسی ہو جاتی ہے)۔ حق اور باطل' غلط اور صحیح ـــــ قانونی نہیں بلکہ اخلاقی نقطہ نگاہ سے ـــــ اضافی ہیں۔ اسی طرح خیر اور شر بھی۔ انسان کا تصور حق و باطل اور خیر و شر' سوسائٹی کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ جیسے اس بات کا فیصلہ کہ فحش اور بے حیائی کیا ہے' سوسائٹی کے معیار کی رو سے ہوتا ہے۔ انسان اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے جو ہمیشہ بدلتا رہتا ہے ـــ بجز اس کے کوئی بڑی مہیب قوت اسے روکے رکھے۔ اور جس سوسائٹی اور مملکت میں انسان زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تغیرات کو نگاہ میں رکھے۔ مذہب پرست طبقہ البتہ غیر متبدل اقدار پر ایمان رکھتا ہے۔

طلوع اسلام نے اپنی اشاعت بابت مارچ 1975ء میں اس پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا تھا:

یہ خیالات اسلام کے پیش کردہ تصور حیات کو کس طرح جڑ بنیاد سے اکھیڑ دیتے ہیں؟ اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ہم اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ (اسلام تو ایک طرف) نظام فطرت کے متعلق بھی محترم مقالہ نگار کی معلومات بھی بڑی سطحی اور ناقص ہیں۔ وہ اگر کسی عام سائنس دان سے بھی پوچھ لیتے تو وہ بتا دیتا کہ یہ کارگہ کائنات' فطرت

کے غیر متبدل قوانین کے تابع سرگرم عمل ہے اور تغیرات صرف ان قوانین کے مظاہر ہیں۔ مثلاً" ہم دیکھتے ہیں کہ خزاں کے موسم میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ سرما میں وہ بالکل ٹھنٹھ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ پھر بہار آتی ہے تو ان میں شگفتہ و شداب تازہ پتیاں ابھرتی ہیں۔ غنچے چٹکتے ہیں۔ پھول کھلتے ہیں پھل آتے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک غیر متبدل قانون نشو و نما کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر ان قوانین فطرت میں' جس کی بنیادوں پر اس محیرالعقول کارگہ کائنات کی عمارت استوار ہے' ذرا سا تغیر بھی آجائے تو سارا سلسلہ کائنات تہس نہس ہو کر رہ جائے۔ خود منیر صاحب اپنی طبیعی زندگی پر غور فرمائیں۔ زندگی کا دار تنفس (سانس لینے) کے قانون پر ہے۔ کیا ان کی ساری عمر میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس قانون حیات میں تغیر واقع ہوا ہے؟ وہ غالباً" اسے "تغیر" سمجھتے ہیں کہ عام حالات میں انسان از خود فضا میں سانس لیتا ہے۔ سمندر کی تہہ میں یا چاند کی سطح پر' اسے آکسیجن کا بیگ اپنی کمر پر لادنا پڑتا ہے۔ اور مریض کو آکسیجن ٹینٹ میں رکھتے ہیں۔ لیکن یہ قانون زندگی کے تغیرات نہیں یہ اس قانون پر عمل پیرا ہونے کے ذرائع و اسباب ہیں۔ ذرائع و اسباب حالات کے مطابق بدلتے رہیں گے۔ قانون ہمیشہ غیر متبدل رہے گا ——— یہ ہے نظام فطرت۔

انسان کی تمدنی زندگی کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اس کے لئے بھی قوانین کی ضرورت ہے۔ یہ قوانین (جو وحی کے ذریعے عطا ہوتے ہیں) غیر متبدل رہتے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کے اسباب و ذرائع بدلتے رہتے ہیں۔ یہ غیر متبدل قوانین' خیر و شر اور حق و باطل کا معیار ہیں۔ منیر صاحب اپنے دعویٰ کی تائید میں **شکسپیئر** کا قول پیش کرتے ہیں اور اس کے برعکس' اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ **لا تبدیل لکلمت اللہ** قوانین خداوندی غیر متبدل ہیں۔ "مذہب پرستوں" کا خدا کے اس ارشاد پر ایمان ہے جس کی تائید کائنات کا سارا نظام فطرت کر رہا ہے۔

لیکن ہمیں یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی کہ منیر صاحب اپنے دعویٰ کی تائید میں' علامہ اقبالؒ کو بھی پیش فرما رہے ہیں۔ لیکن اسی طرح جس طرح انہوں نے نظام فطرت کو اپنی تائید میں پیش کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے مندرجہ بالا دعوے کے بعد' خطبات اقبالؒ سے حسب ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں:۔

> اسلام کا پیش کردہ تصور یہ ہے کہ حیات کلی کی روحانی اساس' ازلی اور ابدی ہے لیکن اس کی نمود و تغیر تنوع کے پیکروں میں ہوتی ہے۔ جو معاشرہ حقیقت مطلقہ کے متعلق اس قسم کے تصور پر **متشکل** ہو' اس کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ اپنی زندگی میں مستقل اور تغیر پذیر (جیسے متضاد عناصر) میں تطابق و توافق پیدا کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس اپنی اجتماعی زندگی کے نظم و ضبط کے لئے مستقل اور ابدی اصول ہوں۔ اس لئے کہ دنیا میں جہاں تغیر کا دور دورہ ہے' ابدی اصول ہی وہ محکم سہارا بن سکتے ہیں جن پر انسان اپنا پاؤں ٹکا سکے۔ لیکن اگر ابدی اصولوں کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ ان کے دائرے میں تغیر کا امکان ہی نہیں۔ وہ تغیر جسے قرآن نے عظیم آیات اللہ میں شمار کیا ہے' تو اس سے زندگی' جو اپنی فطرت میں متحرک واقعہ ہوئی ہے یکسر جامد و متصلب بن کر رہ جائے گی۔

منیر صاحب نے اپنے اس دعویٰ کی تائید میں (کہ انسان کی تمدنی زندگی میں غیر متبدل کا کوئی تصور نہیں) علامہ اقبالؒ کا مندرجہ بالا بیان پیش فرمایا ہے۔ اس کے متعلق اس کے سوا کیا کہا جائے کہ

سخن شناس نہ' دلبرا ! خطاب ایں جاست

جس طرح وہ نظام فطرت کے متعلق اتنا نہیں سمجھ سکتے تھے کہ اس میں کس قدر غیر متبدل قوانین کارفرما ہیں' اسی طرح وہ یہ بھی نہیں سمجھ سکے کہ اقبالؒ کا بیان ان کی تائید نہیں کر رہا' تردید کر رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ ثبات و تغیر کے امتزاج کو اصول حیات قرار دے رہے ہیں۔ وہ غیر متبدل قوانین کو وہ سہارا قرار دیتے ہیں جس پر انسانی زندگی کا قیام ہے۔ لیکن جس طرح محترم جسٹس منیر نے قائداعظمؒ کے بیانات نقل کرتے ہوئے' ان کے ان حصوں کو حذف کر دیا تھا جو ان کے خلاف جاتے تھے' اسی طرح انہوں نے خطبات اقبالؒ میں سے صرف مندرجہ بالا اقتباس درج کیا تھا اور اس سے اگلی سطریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایاز حسین انصاری

خطاب بہ رفقائے سفر

برادران عزیز! السلام و علیکم و رحمتہ اللہ

آج بزمہائے طلوع اسلام کا سالانہ اجتماع ہے۔ آپ حضرات دور دراز کا سفر طے کر کے مختلف گوشوں سے اس اجتماع میں تشریف لائے ہیں۔ آپ کی شرکت ہمارے لئے موجب خیر و برکت ہے۔ میں آپ تمام احباب کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ہمتوں میں برکت عطا فرمائے۔

عزیز ساتھیو! کہا جاتا ہے کہ تحریک سست روی کی شکار ہے۔ سست روی کا یہ تاثر یقیناً کچھ دلوں میں مایوسی پیدا کرتا ہو گا مگر میں کہتا ہوں کہ تحریک کے ساتھ ہماری وابستگی کسی تقلید کا نتیجہ تو ہے نہیں کہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر آرزدہ خاطر ہونا شروع کر دیں۔ ہم نے پورے غور و خوض کے بعد غلط روش کو چھوڑ کر عقل و بصیرت کا راستہ اختیار کیا ہے۔ پھر مایوسی کیوں؟

ہمارا مقصد انسانی معاشرہ میں قرآن کی عطا کردہ مستقل اقدار کے عملی نفاذ کے لئے راہ ہموار کرنا ہے جبکہ ہمارا یہ عمل اکثر لوگوں کو راس نہیں آتا۔ ان کے مفادات پر زد پڑتی ہے تو وہ ہماری راہ میں روک بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی دلی خواہش ہے کہ اس تحریک کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ ہمیں محتاط رہنا ہو گا ان لوگوں کی دسیسہ کاریوں سے اور ان لوگوں سے جو دبے پاؤں آتے ہیں اور چپکے چپکے کانوں میں کچھ پھونک کر لوٹ جاتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کر کے ان کے عزم راسخ کو کمزور کر دیں تاکہ ان کی ہمتیں پست ہو جائیں اور ان کے چٹان جیسے محکم یقین میں دراڑیں پڑ جائیں۔ ان میں کچھ لوگ بیگانے ہوتے ہیں اور کچھ وہ جو جھوٹے پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ ان کے یہ حربے اتنے غیر محسوس ہوتے ہیں کہ بظاہر کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا لیکن ان کے غیر محسوس پراپیگنڈے کے نفسیاتی اثرات ہماری راہ میں کانٹے بکھیر دیتے ہیں۔ پراپیگنڈہ اگرچہ ایک عام سا لفظ ہے لیکن اگر اسے منظم طریقے سے جاری رکھا جائے تو یہ وہ سحر سامری ہے جس کی نگاہ بندی سے قوموں کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ **لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا**۔ آنکھیں اپنی ہیں لیکن دیکھتے کسی اور کی عینک سے ہیں۔ کان اپنے ہیں، لیکن سنتے کسی اور کے آلہ صوت سے ہیں۔ دماغ اپنے ہیں لیکن سمجھتے کسی اور دماغ سے ہیں **أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ**۔ "بالکل ہز ماسٹرز وائس ہوتے ہیں۔"

تحریک طلوع اسلام کے ساتھ یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ وابستگان تحریک کی کچھ ایسی بھیانک تصویر پیش کی جاتی رہی ہے کہ غیر تو غیر اپنے بھی جب اس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں۔ ان تخریبی قوتوں کی نشاندہی کرا

اور ان کا مقابلہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ حق کے راستے میں جتنی رکاوٹیں آتی ہیں ان کو دور کرتے جانا ہی دین کا مقصد ہے۔ سرکش عناصر کو راستے سے ہٹانے کے لئے قوت صرف ہوتی ہے۔ حق میں اتنی صلاحیت اور قوت ہوتی ہے کہ وہ باطل کا مقابلہ کر کے اسے شکست دے اور اس طرح اپنے راستے پر چلتا جائے تاکہ حق' باطل کا دم توڑ دے۔ باطل کو شکست دینے کے بعد صرف ہونے والی قوت کو بحال نہ کیا جائے تو بھی کچھ وقت کے بعد تخریبی قوتیں دوبارہ سر نکال لیتی ہیں اس لئے ہمیں ہمہ وقت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں قرآنی ہدایات ہر وقت سامنے رکھنی چاہیں۔

پچھلے سال چارج سنبھالنے کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ بزموں کے ساتھ ٹوٹا ہوا رابطہ پھر سے بحال کیا جائے چنانچہ یہ سال بزموں کے ساتھ رابطہ استوار کرنے میں صرف ہوا۔ بیرون ملک بزموں سے ملنا چاہتا تھا لیکن اس کے لئے ادارہ کو زیربار کرنا مجھے گوارا نہ تھا چنانچہ یہ سفر میں نے اپنے خرچ پر کیا تاکہ کسی کا گلہ باقی نہ رہے کہ چیرمین صاحب ہمارے پاس نہیں آئے۔ چند ایک بزموں کے پاس نہیں پہنچ پایا ان تک پہنچنا مجھ پر قرض ہے جونہی موقع ملا ان کا گلہ بھی دور کر دوں گا۔ بزموں کے دوروں اور احباب سے بالمشافہ گفتگو سے مجھے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ تھا کہ بڑھتی ہوئی گرانی اور اسلام دوست حضرات کی تنگدستی' مہنگی اور ضخیم کتابیں خریدنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ادھر بزموں کے محدود وسائل اجازت نہیں دیتے کہ اپنی لائبریریوں میں کتابوں کا وافر ذخیرہ رکھ سکیں۔ تحریک کے فروغ کی راہ میں یہ بہت بڑی رکاوٹ تھی جسے ہر طرف شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ ان حالات میں ہمارے لئے ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ کتابوں کے ساتھ ساتھ ہم مختلف موضوعات پر پمفلٹس شائع کر کے عوام کو اتنی قیمت پر فراہم کریں جو نہ عوام پر گراں گزریں نہ بزموں پر بوجھ بنیں۔ مجلس عاملہ نے میری اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ لاگت کچھ بھی کیوں نہ ہو' پمفلٹ کی قیمت ایک روپے سے زیادہ نہ رکھی جائے۔ یہ سن کر آپ کو خوشی ہو گی کہ اس سکیم کے تحت ادارہ نے امسال 28 پمفلٹس شائع کئے جن پر لاگت کا تخمینہ ڈیڑھ لاکھ سے زائد ہے مگر اس کے ثمرات' میں سمجھتا ہوں کہ ابھی سے ملنا شروع ہو گئے ہیں۔ پمفلٹ سستا ہونے کی وجہ سے خریدا جا سکتا ہے اور مختصر ہونے کی وجہ سے پڑھ لیا جاتا ہے اور پھر ذہن میں اٹھنے والے سوال کے مطابق پمفلٹ دستیاب ہو جائے تو سوال کرنے والے کی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ ادارہ میں موصول ہونے والے فیڈ بیک سے اندازہ ہوا ہے کہ تبلیغ دین کا یہ طریق بہت ہی کارگر اور موثر ثابت ہوا ہے لہٰذا میری تجویز ہے کہ اسے مزید فروغ دیا جائے۔

مجھے خوشی ہے کہ گوناگوں مشکلات کے باوجود بزموں کے حوصلے بلند ہیں اور نامساعد حالات کے باوجود ان کی ہمتیں جوان ہیں۔

ایک بات جو میں آپ کے علم میں خاص طور پر لانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مذہبی دہشت گردی نے لوگوں کو مذہب ہی سے برگشتہ نہیں کیا وہ اسلام ہی سے بیزار نظر آنے لگے ہیں اور وہ لوگ جو پاکستان میں سیکولرزم کا فروغ چاہتے تھے کھل کر سامنے آگئے ہیں۔ کوئی جلسہ' کوئی اجتماع' کوئی سیمینار ایسا نہیں جس میں قائد اعظمؒ کی اس تقریر کا راگ نہ الاپا جاتا ہو جس میں بقول ان کے قائد اعظمؒ نے اپنے موقف میں تبدیلی پیدا کر لی تھی۔ بقول ان حضرات کے اسلام نہ قائد اعظمؒ کا مقصود تھا نہ پاکستان کی منزل۔ اسلام ایک نجی معاملہ ہے' حکومت اور نظام حکومت سے اسے کیا سروکار۔ یہ ہے وہ سرخ آندھی جو قرآن کے شیدائیوں کو وقف اضطراب کئے ہوئے ہے۔ یہ گویا ایک نیا محاذ ہے جو ہماری جراتوں کو پکار رہا ہے۔ نظریہ پاکستان جن خطرات سے آج دوچار ہے پہلے کبھی نہ تھا

عزیزان من! آپ کی تحریک فکری لحاظ سے نظام اسلامی کی نقیب اور نظریہ پاکستان کی محافظ ہے نظریہ پاکستان کے گرد منڈلانے والے خطرات آپ کی توجہ چاہتے ہیں۔ آگے بڑھئے اور مفکر پاکستان کے تتبع میں کہ جس نے اس

نظریئے کی آبیاری میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیا' نظریہ پاکستان کو لوگوں پر واضح کیجئے نظریہ پاکستان مٹ گیا
یہ مسجد جو اسلام کے احیا کے لئے وجود میں آئی تھی قائم نہ رہ سکے گی اور خدا نخواستہ اگر ایسا ہو گیا تو پھر نفاذ اسلام
کے لئے علامہ اقبالؒ کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو پائے گا۔ یہ صورت حال ہر اس فرد کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو سمجھتا
ہے کہ نظریہ پاکستان بنیاد کی وہ اینٹ ہے جس کے اکھڑ جانے سے نہ صرف یہ کہ پاکستان کی عمارت فلک بوس ہو جائے
گی بلکہ اسلام کے احیا کی آخری کوشش بھی صدا بہ صحرا ہو جائے گی۔ اس لئے میری آپ حضرات سے اپیل ہے کہ
اس خطرے کو معمولی سمجھ کر آگے نہ بڑھ جائیں۔ اس کے لئے ہو سکے تو جگہ جگہ مجالس منعقد کر کے لوگوں کو سمجھائیں
کہ قائد اعظمؒ اور اقبالؒ پاکستان میں جس اسلام کا احیا چاہتے تھے' وہ تھا کیا؟ اور پھر سیکولر ذہن رکھنے والوں کو تو اس
سے خطرہ تھا ہی' ہمارا مذہبی طبقہ اس کی مخالفت پر کیوں کمربستہ ہے؟ بہت بڑی ذمہ داری ہے جو آپ حضرات پر عائد
ہوتی ہے۔ آگے بڑھیں اور لادینی قوتوں کو فرقہ پرستوں کی بدحواسیوں کی آڑ لے کر اسلام پر وار نہ کرنے دیجئے۔
ادارہ عنقریب اس موضوع پر پمفلٹس بھی شائع کر رہا ہے لیکن اس آواز کو عوام تک پہنچانا آپ حضرات کی ذمہ
داری ہے۔ آپ کی اہلیت' خلوص نیت اور حسن کلام کے پیش نظر مجھے امید واثق ہے کہ اسلام اور پاکستان کے تحفظ
کے لئے آپ کی کوششیں رنگ لائیں گی اور لادینی قوتوں اور قوم پرست علماء کو ایک بار پھر منہ کی کھانی پڑے گی۔
انشاء اللہ

آپ حضرات کی یاداشت کے لئے میں پھر دہرا دوں کہ قائد اعظمؒ کی وفات کے بعد **فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا** (19:59)
ایسے ناخلف پیدا ہو گئے جنہوں نے زندگی کے بلند مقاصد کو فراموش کر کے اعلیٰ اقدار کو پس پشت ڈال دیا۔ یہ اپنی مفاد
پرستیوں کے پیچھے لگ گئے اور وہ عناصر جو نظریہ پاکستان کے یکسر مخالف تھے' مقدس لبادے اوڑھ کر آگے بڑھے اور
ملوکیت کے دور کے عجمی اسلام کا بول بالا کرنے میں مصروف ہو گئے اور اس طرح پاکستان بنانے کا حقیقی مقصد نظروں
سے اوجھل ہو گیا۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ یہ ہے وہ مقام جہاں میں اللہ کا یہ فرمان آپ حضرات کے سامنے لانا
چاہتا ہوں جس میں کہا گیا ہے کہ:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (3:199)

"اے لوگو! جو وحدت نصب العین کی صداقت پر یقین رکھتے ہو' اگر تم اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہونا
چاہتے ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ تم میں سے ہر فرد خود بھی ثابت قدم رہے اور دوسروں کے لئے بھی ثابت
ذریعہ بنے۔ اس طرح تم سب ربط باہمی سے جادہ ہدایت خداوندی پر گامزن رہتے ہوئے آگے بڑھتے جاؤ گے۔

تحریک طلوع اسلام کا واحد مقصد اس قسم کے منتشر افراد کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے جنہیں یقین محکم ہو کہ المال
مشکلات کا حل صرف قرآن مجید میں ہے اور کہیں نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (7:6)

ہم ان لوگوں سے پوچھیں گے جن کی طرف پیغام رساں بھیجے گئے تھے اور خود ان پیغام رسانوں سے بھی، کہ تم نے اپنا فریضہ کس حد تک ادا کیا تھا۔ وہ فریضہ کیا ہے ؟ **فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ** (13:40) رسول اکرمؐ سے کہا گیا کہ تیرا کام یہی ہے کہ تو اس ضابطہ ہدایت کو لوگوں تک پہنچاتا جائے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ دیکھیں کہ ہمارے قانون کے مطابق نتائج کب ظہور میں آتے ہیں۔

قرآن کریم میں آیا ہے کہ محمدؐ بجز ایں نیست کہ خدا کا ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے کئی رسول گذر گئے ہیں سو اگر یہ بھی کل کو مر جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم (یہ سمجھ کر کہ یہ سلسلہ تو آپ کی ذات تک ہی محدود تھا) اپنی پہلی روش کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اس سے واضح ہے کہ یہ سلسلہ آگے بھی چلتا رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں اللہ کی طرف علیٰ وجہ بصیرت دعوت دیتا ہوں۔ میں بھی ایسا کرتا ہوں اور میرے متبعین بھی ایسا ہی کریں گے (2:108) رسول اکرمؐ کے بعد کتاب کا وارث امت مسلمہ کو بنا دیا گیا (35:33) اور کتاب اس کے سپرد کر دی گئی۔ اس لئے یہ فریضہ اب حاملین قرآن پر عائد ہوتا ہے۔ پیغام پہنچانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں حق کے راستے پر چلنے کی تحریک پیدا ہو جائے اور غلط معاشرے کی جگہ قرآن مجید کا تجویز کردہ صحیح معاشرہ قائم ہو جائے۔ سرکش قوتوں کو اس نظام کے قیام میں اپنے مفاد کی موت نظر آتی ہے اس لئے وہ اس کی سرتوڑ مخالفت کرتی ہیں عزیزان من یہی وہ رکاوٹیں ہیں جن سے نبرد آزما ہونے کا کام آپ حضرات نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ اندازہ لگا لیجئے کہ یہ ذمہ داری کتنی عظیم ہے۔ لہٰذا اس ذمہ داری کو اولیت دینا ہو گی۔ باقی رہا یہ سوال کہ ہماری کوششوں کے نتائج کب نمودار ہوں گے؟ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ نتائج مرتب کرنے کے لئے ہم ذمہ دار نہیں۔ نتائج قوانین خداوندی کے مطابق ظہور میں آتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (48:28)

مفہوم۔ اللہ نے اپنے رسول کو یہ ضابطہ ہدایت یعنی حق پر مبنی نظام دے کر بھیجا ہی اس لئے ہے کہ یہ دنیا کے تمام خود ساختہ نظاموں پر غالب آکر رہے اور خدا اس بات کی نگرانی کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایسا ہو کر رہے۔ لیکن یہ نظام خداوندی تنہا رسول کے ہاتھوں تکمیل تک نہیں پہنچا تھا۔ اس میں اس کے رفقاء (جماعت مومنین) بھی شامل تھے۔ اسے **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ** یعنی **محمد رسول اللہ** اور اس کے رفقاء کی جماعت کے ہاتھوں قائم ہونا اور باطل کے ہر نظام پر غالب آنا تھا۔ اس جماعت کی کیفیت یہ تھی کہ :

- نظام حق کے مخالفین کے مقابلے میں فولاد کی طرح سخت **(اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ)** 48:29 لیکن اس نظام کے ماننے والوں کے سامنے ریشم کی طرح نرم **رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ** وہ نظام حق کے قیام اور استحکام کی خاطر مسلسل جدوجہد کرتے رہتے ہیں اور ان گراں بار ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے جھک جاتے ہیں
- اس کے ساتھ ساتھ قانون خداوندی کے مطابق سامان زیست کی تلاش میں مصروف تگ و تاز رہتے ہیں۔

○ اس کے ساتھ یہ کوشش بھی کرتے کہ ان کا ہر عمل قانون خداوندی سے ہم آہنگ رہے اور ان کی صفات خداوندی سے یک رنگ ہو جائے ان افراد کے دل ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ (3:102) اور یہ ایک دوسرے کے جگری دوست ہوتے ہیں بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (9:71)
ہم عرصہ دراز سے اس تحریک سے وابستہ ہیں۔ ہرچند کہ فکری وحدت انسان کے اندر [illegible] ہے لیکن فکری وحدت کے باوجود باہمی نزاع پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہوتا لیکن جذبات [illegible] فکر کے تابع ہوں تو فروعی نزاعات پر قابو پانا مشکل نہیں ہوتا۔ مشہور روسی مفکر اوسپنکی کے الفاظ میں [illegible] ایک دوسرے کے سمجھنے میں غلط فہمیاں اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ وہ مختلف جذبات کے تحت زندگی [illegible] کا شکر ہے کہ ہم لوگوں میں فکری ہم آہنگی موجود ہے۔ اللہ کا کرم ہے فکری سطح پر اس تحریک میں [illegible] زندگی میں کوئی نزاع تھا نہ ان کی وفات کے بعد ایسا کوئی افتراق سامنے آیا ہے لیکن بایں ہمہ آگے بڑھنے کے لئے ہمیں اس معیار پر بہرحال پورا اترنا ہو گا جو قرآن نے مومنین کے لئے مقرر کیا ہے۔
کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآنی معاشرہ معجزانہ طور پر ہی قائم ہو سکتا ہے۔ ہمارے بڑوں نے یہ نظام قائم کیا تھا تو وہ بھی ایک معجزہ تھا۔ یہ تب ہو گا جب ایک مرد مومن معجزانہ طور پر پیدا ہو گا۔ حالانکہ اللہ کا یہ فرمان روز روشن کی طرح واضح ہے کہ تم معجزات اور کرامات کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہو اپنے اندر جھانک کر دیکھو وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (51:21) اس میں تمہیں ایسی ایسی محیر العقول قوتیں نظر آئیں گی جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں۔ ان قوتوں کا تمہارے اندر بے انت ذخیرہ موجود ہے۔

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (3:138)

تم گھبراتے کیوں ہو۔ تم افسردہ خاطر کیوں ہو رہے ہو۔ قوانین خداوندی پر یقین محکم رکھ کر اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرو۔ ہمارے اسلاف نے بھی یہ کارنامے یقین محکم اور خود اعتمادی کے ذریعے ہی حاصل کئے تھے۔ ہم ان کارناموں کو پڑھتے تو ہیں لیکن انہیں اپنی بے عملی اور خود فریبی کے پردے میں چھپا کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ مگر

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر دیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

یقین کے لئے بنیاد یہ ہے کہ ہم صدق دل سے تسلیم کریں کہ صحیح قرآنی نظام وہ ہی ہے جو طلوع اسلام پیش کر رہا ہے۔ یہی نظام ایک بار سرزمین حجاز میں محمد رسول اللہ والذین معہ کے ہاتھوں قائم ہوا تھا جسے دوبارہ دیکھنے کے لئے ہماری آنکھیں ترس رہی ہیں۔ اسلام جو خدا کا عطا کردہ دین ہے وہ دین کی بجائے انسانی ذہنوں کے خود ساختہ تصورات، نظریات اور معتقدات کے نیچے دب کر ایک مذہب کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اس کو اپنی حقیقی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور پھر جب انہیں یقین آجائے تو پھر اس نظام کا قیام اس کا فطری نتیجہ بن جائے گا۔

طلوع اسلام حق کی آواز ملک کے گوشے گوشے تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جب یہ فکر عام ہو گی تو یہ جمہور کی آواز بن جائے گی اور عوام ایسے نمائندے منتخب کر کے قوانین ساز اسمبلی میں بھیجیں گے جو دین اور نظام خداوندی پر ایمان رکھنے والے ہوں۔ یہ نظام انفرادی طور پر قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اجتماعی نظام ہے۔ اس لئے طلوع اسلام کا مخاطب بر سراقتدار طبقہ ہوتا ہے تاکہ بات ان کے سمجھ میں آجائے۔

عزیزان من! ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ ہم قرآن کے پیغام کو عام کریں اور اپنی ذمہ داری کو بجالانے میں کوتاہی نہ کریں۔ اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی سوچنا ہو گا کہ کون سا طریق اس دعوت کو عام کرنے میں زیادہ موثر اور نتیجہ خیز ہو گا۔ قرآن کریم اس ضمن میں ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ :

○ دعوت خداوندی کو حکمت اور موعظمت حسنہ کے ساتھ لوگوں تک پہنچاتے جاؤ (سورہ النحل آیت 125) یعنی کہ ہر قانون کی غرض و غایت' مقصود اور سبب سامنے رکھتے ہوئے یہ بتایا جائے کہ ایسا قانون کیوں دیا گیا ہے۔ اسی کا نام حکمت ہے۔ ان کو بتایا جائے کہ جو کام کریں قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اپنی عقل و فکر کی رو سے سوچ سمجھ کر کریں۔ دانائی اور ہوشمندی کی صلاحیت پیدا کریں۔ یہ بھی حکمت ہے۔

○ اختلافی امور میں نہایت حسن کارانہ انداز سے بات کریں حکمت کے ساتھ۔ دوسری چیز موعظمت یعنی نصیحت ہے جو تبلیغ کے سلسلہ میں اپنا مقام رکھتی ہے۔

○ دعوت علیٰ وجہ البصیرت ہونی چاہیے نبی اکرمؐ نے کہا کہ میں اپنی دعوت علیٰ وجہ البصیرت پیش کرتا ہوں اور میرے متعین بھی ایسا ہی کریں گے۔ (سورہ یوسف آیت 108) دعوت بلا خوف و خطر ہونی چاہیے (سورہ الاحزاب آیت 39) نہ لوگوں کی باتوں کا خیال کرنا چاہیے نہ ان سے ڈرنا چاہیے۔ ہم اعمال کے لئے صرف خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔

○ سرکشوں کے ساتھ بھی نرمی سے بات کرنی چاہئے۔ شاید وہ بات پر غور کرنے لگ جائیں (سورہ طٰہٰ آیت 8-9)

○ جھگڑو نہیں۔ اپنی دعوت کو عام کرتے جاؤ (سورہ الحج آیت 67) یہی طریق نصیحت کو موثر بناتا ہے۔

○ تبلیغ کے لئے سینے کی کشادگی' زبان کی طاقت اور روانی ضروری ہے تاکہ پیغامات احسن طریقے سے فریق مقابل تک پہنچائے جائیں اور ان کی سمجھ میں آجائیں۔ (سورہ طٰہٰ آیات 28-25)

○ تبلیغ میں غربت' امارت کا خیال نہیں کرنا چاہیے۔ جو متوجہ ہوتا ہے اس کی طرف زیادہ رجوع کرنا چاہیے خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو۔ (سورہ عبس آیت 8-1)

○ تبلیغ پرائیویٹ یا پبلک طور پر جیسے بھی ممکن ہو ہر طریق سے کرتے رہنا چاہیے (سورہ نوح آیت 9-8)

خیر اندیش

ایاز حسین انصاری
چیرمین ادارہ طلوع اسلام

***

طلوعِ اسلام منکرِ حدیث ہے!

یہ الزام تو آپ نے سُنا ہوگا

لیکن یہ حقیقت شاید آپ تک نہیں پہنچی ہوگی کہ:

○ احادیث کی صحیح پوزیشن کیا ہے۔ ○ یہ کس طرح مرتب ہوئیں۔ ○ ہم تک کیسے پہنچیں۔
○ احادیث کے مجموعے جو ہمارے پاس ہیں، ان میں کیا کچھ ہے۔ ○ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت کس حد تک صحیح ہے۔ ○ اقرار و انکارِ حدیث سے کیا مراد ہے؟

اس باب میں طلوعِ اسلام کا مسلک کیا ہے اور وہ جو اسے منکرِ حدیث بتاتے ہیں، وہ خود کس طرح منکرِ حدیث ہیں؟

علمِ حدیث کے موضوع پر یہ جامع کتاب ہے جس کا تازہ ایڈیشن دو جلدوں کی بجائے ایک جلد میں

مقامِ حدیث

کے نام سے بڑے سائز میں شائع کیا گیا ہے!

اس قدر پُر از معلومات ہے کہ اس کے مطالعے سے آپ بیسیوں کتابوں سے بے نیاز ہو جائینگے!

قیمت: اعلیٰ ایڈیشن =/120 Rs قیمت: سٹوڈنٹ ایڈیشن =/60 Rs

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبد اللہ ثانی ایڈوکیٹ (پشاور)

احمدی (قادیانی) اور تحریک پاکستان

ہفت روزہ مہارت لاہور کا ایک کثیر الاشاعت رسالہ ہے جس میں سیاسی' سماجی' معاشرتی' مذہبی اور اخلاقی مضامین چھپتے ہیں۔ ایک چیز جو نکھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ مجلہ رسالہ میں احمدیوں کی سرگرمیوں کو اکثر و بیشتر نمایاں مقام ملتا ہے۔ 14 اور 21 اگست کے پرچے نظر سے گزرے۔ 14 اگست کو گولڈن جوبلی کے حوالہ سے راقم لاہور ہی میں تھا۔ مہارت کے پہلے شمارے کی تو ورق گردانی ہی کر سکا۔ دوسرا شمارہ جس میں " تحریک پاکستان اور جماعت احمدیہ " کے عنوان سے محترم منور علی شاہد کا مضمون شائع ہوا تھا' البتہ بنظر غائر پڑھا۔ مہارت میں شائع ہونے والے مضامین سے نظر آتا ہے کہ مہارت کچھ اس قسم کا پاکستان چاہتا ہے جس میں 1947ء سے پہلے کی طرح ہندو اپنے مندر میں' سکھ اپنے گردوارے میں' مسلمان اپنی مسجد میں' عیسائی اپنے کلیسا میں' اسماعیلی اپنے جماعت خانے میں' اور اہل تشیع اپنے امام باڑوں میں سموطن کی مٹی کے لئے دعائیں کرتے رہیں یعنی ہندو اگر پاکستان میں ہیں تو پاکستان کی بھلائی کے لئے دست بدعا ہوں اور اگر وہ بھارت میں ہیں تو بھارت کی خیر خواہی کے طلب گار ہوں۔ اسی طرح مسلمان اگر پاکستان میں ہیں تو پاکستانی مٹی' کے خیر خواہ ہوں اور اگر ہندوستان میں ہیں تو جے ہند کا نعرہ بلند کریں۔ یہی حالت احمدی حضرات کی بھی ہے وہ پاکستان میں ہیں تو پاکستان کے لئے ہاتھ اٹھائیں اور اگر قادیان میں ہیں تو بھارت ماتا کی خیر مانگیں۔

اس حوالہ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ ریکارڈ درست رہے۔ جہاں تک جماعت احمدیہ کی مذہبی جماعت ہونے کا تعلق ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہماری مذہبی کتابوں (باستثنائے قرآن کریم) میں یہ پیش گوئی موجود ہے کہ عیسیٰؑ چوتھے آسمان پر ہیں۔ وہ مہدی ہو کر آئیں گے۔ چالیس سال تک حکومت کریں گے۔ دجال بھی آئے گا وغیرہ وغیرہ۔ (یہ سطور لکھی ہی جا رہی تھیں کہ پشاور میں ایک چون سالہ بوڑھے محمد بشارت نامی شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ تادم تحریر وہ پولیس کی حراست میں ہے دو تین دن بعد شاید جیل پہنچ جائے۔ مجھ سے چند وکلاء صاحبان نے اس بارے میں پوچھا۔ میں نے یہی جواب دیا کہ آخر آپ کے پاس کون سی ایسی شہادت ہے جس پر آپ اس شخص کے مہدی ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اگر آپ کی کتابوں میں یہ موجود ہے تو پھر آپ کو ماننا چاہیے۔ آپ کیوں انکار کرتے ہیں۔ اس پیش گوئی کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ہر دس پندرہ سال بعد' اور اب تو اور بھی جلدی جلدی' کہیں نہ کہیں مسلمانوں کی مملکت میں ایک آدھ مہدی پیدا ہو جاتا ہے اور بقول ایک مہدی سکالر کے وہ مہدی پیدا ہو گیا ہے بحوالہ روزنامہ جنگ راولپنڈی مورخہ 7 اکتوبر 1996ء اسی اخبار کے 15 اکتوبر کے پرچہ میں مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کا یہ بیان بھی شائع ہوا ہے کہ " حضرت عیسیٰؑ کی آمد سے ختم نبوت کے عقیدے پر فرق نہیں پڑتا کیونکہ آپ پہلے نبی ہیں اور آپ کی زندگی طویل کر دی گئی ہے اور آپ کی دعا قبول کر کے حضرت عیسیٰؑ کو حضورؐ کا امتی بنانا مقصود تھا۔ اب اگر یہ نظریہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کو کیوں یہ جرات ہوتی اور وہ خود کو مسیح موعود کہتے۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا کے تمام مذاہب میں آنے والے کسی مہدی کا تصور کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے یہاں تک کہ مسلمانوں کے دوسرے بڑے مذہبی فرقے اہل تشیع میں بھی بارہواں امام' امام غائب کہلاتا ہے جو وقت مقررہ پر آئے گا۔ مجھے یہ یاد دہانی بار بار کرانا پڑے گی کہ قرآن کریم میں ایسا کوئی تصور موجود

نہیں اس لئے آنے والا نبی نہ تو امتی نبی ہو سکتا ہے اور [illegible] مسیح موعود
مہدی اگر ہے تو وہ قرآن کریم ہے جو **هدى الناس** [illegible] والا ہے
اس کے بعد کوئی انسان مہدی کہلا ہی نہیں سکتا۔ سوال [illegible] مہدی
ہماری کیا رہنمائی کرے گا یا ہمیں کون سی ہدایات [illegible] تصور بھی
نظریہ ختم نبوت پر کاری ضرب ہے۔ بہرحال میرا یہ موضوع نہیں [illegible]۔

مضمون نگار محترم منور علی شاہد صاحب نے تحریک پاکستان کے حوالے سے [illegible] کیا
ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تحریک پاکستان کیسی تحریک تھی جس میں احمدی [illegible] انکار نہیں
کہ [illegible] تحریک پاکستان ایک نظریاتی تحریک تھی [illegible] اور
وطن پرست مسلمان تھے اور دوسری طرف وہ مسلمان جو احیائے دین کے [illegible]
مقصد پہلے انگریزوں سے اور پھر ہندوؤں سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا۔ احمدی [illegible]
تھے۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ حضرات بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے اور دوسری [illegible] انہیں انگریز
سے مکمل اور غیر مشروط وفاشعاری کا سبق سکھا رکھا تھا۔ اس لئے [illegible] میں
مسلمانوں کا ساتھ دیتے جس سے انگریز کو دکھ پہنچتا۔ اس سے تو وہ اپنے [illegible] راندہ درگاہ قرار پا
جاتے۔

میرے سامنے اس وقت جماعت احمدیہ کی تصنیف روحانی خزائن [illegible] بارھویں جلد ہے۔ اقتباس
پیش قارئین ہے جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ انگریزوں کے لئے مرزا صاحب [illegible]۔

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

یہ عریضہ مبارکبادی

اس شخص کی طرف سے ہے جو یسوع مسیح کے نام پر طرح طرح کی بدعتوں سے دنیا کو چھڑانے کے لئے آیا ہے۔
جس کا مقصد یہ ہے کہ امن اور نرمی کے ساتھ دنیا میں سچائی قائم کرے اور لوگوں کو اپنے پیداکنندہ سے سچی محبت اور
بندگی کا طریق سکھائے اور اپنے بادشاہ‘ ملکہ **معظمہ** سے جس کی وہ رعایا ہیں سچی اطاعت کا طریق سمجھائے اور بنی نوع
میں باہمی سچی ہمدردی کرنے کا سبق دیوے اور نفسانی کینوں اور جوشوں کو درمیان سے اٹھائے اور ایک پاک صلح
کاری کو خدا کے نیک نیت بندوں میں قائم کرے جس کی نفاق سے ملونی نہ ہو اور نوشتہ ایک ہدیہ شکرگزاری ہے کہ جو
عالی جناب قیصرہ ہند ملکہ **معظمہ** والی انگلستان و ہند دام اقبالها بالقابها کے حضور میں بتقریب جلسہ جوبلی شصت سالہ
بطور مبارکباد پیش کیا گیا ہے۔

مبارک! مبارک! مبارک! ! !

اس خدا کا شکر ہے جس نے آج ہمیں یہ عظیم الشان خوشی کا دن دکھلایا۔ کہ ہم نے اپنی ملکہ **معظمہ** قیصر ہند و
انگلستان کی شصت سالہ جوبلی کو دیکھا۔ جس قدر اس دن کے آنے سے مسرت ہوئی کون اس کا اندازہ کر سکتا ہے؟
ہماری محسنہ قیصرہ مبارکہ کو ہماری طرف سے خوشی اور شکر سے بھری ہوئی مبارکباد پہنچے۔ خدا ملکہ **معظمہ** کو ہمیشہ خوشی
سے رکھے!

وہ خدا جو زمین کو بنانے والا اور آسمانوں کو اونچا کرنے والا اور چمکتے ہوئے سورج اور چاند کو ہمارے لئے کام

میں لگانے والا ہے اس کی جناب میں ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری ملکہ **معظمہ** قیصرہ ہند کو جو اپنی رعایا کی مختلف اقوام کو کنارہ عاطفت میں لئے ہوئے ہے جس کے ایک وجود سے کروڑہا انسانوں کو آرام پہنچ رہا ہے تا دیر گاہ سلامت رکھے اور ایسا ہو کہ جلسہ جوبلی کی تقریب پر (جس کی خوشی سے کروڑ ہا دل برٹش انڈیا اور انگلستان کے جوش نشاط میں ان پھولوں کی طرح حرکت کر رہے ہیں جو نسیم صبا کی ٹھنڈی ہوا سے شگفتہ ہو کر پرندوں کی طرح اپنے پروں کو ہلاتے ہیں) جس شور سے زمین مبارکبادی کے لئے اچھل رہی ہے ایسا ہی آسمان بھی اپنے آفتاب و ماہتاب اور تمام ستاروں کے ساتھ مبارکبادیاں دیوے اور عنایت صمدی ایسا کرے کہ جیسا کہ ہماری عالی شان محسنہ ملکہ **معظمہ** والی ہند و انگلستان اپنی رعایا کے تمام بوڑھوں اور بچوں کے دلوں میں ہر دلعزیز ہے۔ ویسا ہی آسمانی فرشتوں کے دلوں میں بھی ہر دلعزیز ہو جائے۔ وہ قادر جس نے بے شمار دنیوی برکتیں اس کو عطا کیں دینی برکتوں سے بھی اسے مالا مال کر دے۔ وہ رحیم جس نے اس جہاں میں اس کو خوش رکھا اگلے جہاں میں بھی خوشی کے سامان اس کے لئے عطا کرے۔ خدا کے کاموں سے کیا بعید ہے کہ ایسا مبارک وجود جس سے کروڑ ہا بلکہ بے شمار نیکی کے کام ہوئے اور ہو رہے ہیں اس کے ہاتھ سے یہ آخری نیکی بھی ہو جائے کہ انگلستان کو رحم اور امن کے ساتھ انسان پرستی سے پاک کر دیا جائے تاکہ فرشتوں کی روحیں بھی بول اٹھیں کہ اے موحدہ صدیقہ تجھے آسمان سے بھی مبارکباد' جیسا کہ زمین سے !!

یہ دعا گو کہ جو دنیا میں عیسیٰ مسیح کے نام سے آیا ہے اسی طرح وجود ملکہ **معظمہ** قیصرہ ہند اور اس کے زمانہ سے فخر کرتا ہے جیسا کہ سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰؐ نے نوشیروان عادل کے زمانہ سے فخر کیا تھا۔ سو اگرچہ جلسہ جوبلی کی مبارک تقریب پر ہر ایک شخص پر واجب ہے کہ ملکہ **معظمہ** کے احسانات کو یاد کر کے مخلصانہ دعاؤں کے ساتھ مبارکباد دے اور حضور قیصرہ ہند و انگلستان میں شکر گزاری کا ہدیہ گزارے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مجھ پر سب سے زیادہ واجب ہے میرے لئے خدا نے پسند کیا کہ میں آسمانی کاروائی کے لئے ملکہ **معظمہ** کی پر امن حکومت کی پناہ لوں۔ سو خدا نے مجھے ایسے وقت میں اور ایسے ملک میں مامور کیا جس جگہ انسانوں کی آبرو اور مال اور جان کی حفاظت کے لئے حضرت قیصرہ مبارکہ کا عہد سلطنت ایک فولادی قلعہ کی تاثیر رکھتا ہے۔ جس امن کے ساتھ میں نے اس ملک میں بود و باش کر کے سچائی کو پھیلایا اس کا شکر کرنا میرے پر سب سے زیادہ واجب ہے اور اگرچہ میں نے اس شکر گزاری کے لئے بہت سی کتابیں اردو' عربی اور فارسی میں تالیف کر کے اور ان میں جناب ملکہ **معظمہ** کے تمام احسانات کو جو برٹش انڈیا کے مسلمانوں کے شامل حال ہیں اسلامی دنیا میں پھیلائی ہیں اور ہر ایک مسلمان کو سچی اطاعت اور فرمانبرداری کی ترغیب دی ہے لیکن میرے لئے ضروری تھا کہ یہ تمام کارنامہ اپنا جناب ملکہ **معظمہ** کے حضور میں بھی پہنچاؤں۔ سو اسی بناء پر آج مجھے جناب ملکہ **معظمہ** قیصرہ ہند کی جوبلی کے مبارک موقعہ پر جو سچی وفادار رعایا کے لئے بے شمار شکر اور خوشی کا محل ہے' اس دلی مدعا کے پورا کرنے کے لئے جرات ہوئی ہے۔

میں اس بات کو ظاہر کرنا بھی اپنی روشناسی کرانے کی غرض سے ضروری دیکھتا ہوں کہ میں حضرت ملکہ **معظمہ** کی رعایا میں سے پنجاب کے ایک معزز خاندان میں سے ایک شخص ہوں جو مرزا غلام احمد قادیانی کے نام سے مشہور ہوں۔ میرے والد کا نام مرزا غلام مرتضیٰ اور ان کے والد کے نام مرزا عطا محمد اور ان کے والد کا نام مرزا گل محمد تھا۔ یہ آخر الذکر اس زمانہ سے پہلے والیان ملک سے تھے۔ مجھے خدا نے جیسا کہ آگے بیان ہو گا اپنی خدمت میں لے لیا اور جیسا کہ وہ اپنے بندوں سے قدیم سے کلام کرتا آیا ہے مجھے بھی اس نے اپنے مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف بخشا اور مجھے اس نے نہایت پاک اصولوں پر جو نوع انسان کے لئے مفید ہیں قائم کیا چنانچہ منجملہ ان اصولوں کے جن پر مجھے قائم کیا گیا ہے ایک یہ ہے کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ دنیا میں جس قدر نبیوں کی معرفت مذہب پھیل گئے ہیں اور استحکام پکڑ گئے ہیں اور ایک حصہ دنیا پر محیط ہو گئے ہیں اور ایک عمر پا گئے ہیں اور ایک زمانہ ان پر گزر گیا ہے ان میں سے کوئی مذہب بھی اپنی اصلیت کی رو سے جھوٹا نہیں اور نہ ان نبیوں میں سے کوئی نبی جھوٹا ہے کیونکہ خدا کی سنت

ابتداء سے اسی طرح پر واضح ہے کہ وہ ایسے نبی کے مذہب کو جو خدا پر افتراء کرتا ہے اور [illegible]
بلکہ دلیری سے اپنی طرف سے باتیں بناتا ہے کبھی سرسبز نہیں ہونے دیتا اور ایسا مفسد [illegible]
سے ہوں حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ وہ اس کی طرف سے نہیں ہے خدا اس سے پاک [illegible]
تمام کاروبار درہم برہم کیا جاتا ہے اور اس کی تمام جماعت متفرق کی جاتی ہے" صفحہ 267 [illegible]

اور میں نہ اپنے نفس سے اور نہ اپنے خیال سے بلکہ خدا سے مامور ہوں کہ جس گورنمنٹ [illegible]
نیچے میں امن کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں اس کے لئے دعا میں مشغول رہوں اور اس [illegible]
اور اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھوں اور جو کچھ مجھے فرمایا گیا ہے نیک نیتی سے اس تک پہنچاؤں۔ [illegible]
پر جناب ملکہ **معظمہ** کے ان متواتر احسانات کو یاد کر کے جو ہماری جان اور مال اور آبرو کے شامل حال [illegible]
شکر گزاری کرتا ہوں اور وہ ہدیہ دعائے سلامتی و اقبال ملکہ ممدوحہ ہے جو دل سے [illegible]

اے قیصرہ و ملکہ **معظمہ**! ہمارے دل تیرے لئے دعا کرتے ہوئے جناب الٰہی میں [illegible]
تیرے اقبال اور سلامتی کے لئے حضرت احدیت میں سجدہ کرتی ہیں اے اقبال مند قیصرہ ہند [illegible]
اپنے دل اور جان سے تجھے مبارکباد دیتے ہیں بابرکت سلطنت سے اور تیرے امن پسند [illegible]
تیرے وجود کو اس ملک کے لئے خدا کا ایک بڑا فضل سمجھتے ہیں اور ہم ان الفاظ کے نہ ملنے سے شرمندہ [illegible]
اسی شکر کو پورے طور پر ادا کر سکتے ہر ایک دعا جو ایک سچا شکر گزار تیرے لئے کر سکتا ہے ہماری طرف [illegible]
میں قبول ہو۔ خدا تیری آنکھوں کو مرادوں کے ساتھ ٹھنڈی رکھے اور تیری عمر اور صحت اور سلامتی میں [illegible]
زیادہ برکت دے اور تیرے اقبال کا سلسلہ ترقیات جاری رکھے اور تیری اولاد اور ذریت کو تیری طرح [illegible]
دن دکھاوے اور فتح اور ظفر عطا کرتا رہے۔ صفحہ 270

میرے پڑدادا صاحب مرزا گل محمد بھی طوائف الملوک میں سے تھے اور اپنی ریاست میں [illegible]
مختار رئیس تھے۔ پھر جب سکھوں کا غلبہ ہوا تو صرف اسی (80) گاؤں ان کے ہاتھ میں رہ گئے اور پھر بہت جلد [illegible]
کے عدد کا صفر بھی اڑ گیا اور پھر شاید آٹھ یا سات گاؤں باقی رہے رفتہ رفتہ سرکاری انگریزی کے وقت [illegible]
خالی ہاتھ ہو گئے۔ چنانچہ اوائل عملداری اس سلطنت میں صرف پانچ گاؤں کے مالک [illegible]
غلام مرتضیٰ صاحب دربار گورنر میں کرسی نشین بھی تھے اور سرکار انگریزی کے [illegible]
مفسدہ 1857ء میں پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور [illegible]
گورنمنٹ عالیہ کو مدد دی تھی۔ غرض ہماری ریاست کے ایام ان دنوں زوال پذیر ہوتے گئے یہاں تک [illegible]
نوبت ہماری یہ تھی کہ ایک کم درجہ کے زمیندار کی طرح ہمارے خاندان کی حیثیت ہو گئی [illegible]
والی ہے کہ ہم اول کیا تھے اور پھر کیا ہو گئے۔" صفحہ 283

اور پھر دوسرا شکریہ یہ ہے کہ وہ خدا جو کبھی اپنے وجود کو بے دلیل نہیں چھوڑتا۔ وہ جیسا کہ تمام نبیوں [illegible]
ہوا اور ابتداء سے زمین کو تاریکی میں پا کر روشن کرتا آیا ہے اس نے اس زمانہ کو بھی اپنے فیض سے محروم نہیں [illegible]
بلکہ جب دنیا کو آسمانی روشنی سے دور پایا تب اس نے چاہا کہ زمین کی سطح کو ایک نئی معرفت سے منور کرے اور [illegible]
نشان دکھائے اور زمین کو روشن کرے۔

سو اس نے مجھے بھیجا

اور میں اس کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک ایسی گورنمنٹ کے سایہ رحمت کے نیچے جگہ دی جس کے [illegible]
سایہ میں بڑی آزادی سے اپنا کام نصیحت اور وعظ کا ادا کر رہا ہوں اس محسن گورنمنٹ کا ہر ایک پر رعایا میں سے [illegible]
واجب ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ مجھ پر سب سے زیادہ واجب ہے کیونکہ یہ میرے اعلیٰ مقاصد جو جناب قیصرہ ہند کی

حکومت کے سایہ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گورنمنٹ کے زیر سایہ انجام پذیر ہو سکتے اگرچہ وہ کوئی اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی۔

اب میں حضور ملکہ **معظمہ** میں زیادہ مصرع اوقات ہونا نہیں چاہتا اور اس دعا پر یہ عریضہ ختم کرتا ہوں کہ۔

اے قادر و کریم اپنے فضل و کرم سے ہماری ملکہ **معظمہ** کو خوش رکھو جیسا کہ ہم اس کے سایہ عاطفت کے نیچے خوش ہیں اور اس سے نیکی کر کہ جیسا کہ ہم اس کی نیکیوں اور احسانوں کے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان مصروفیات پر کریمانہ توجہ کرنے کے لئے اس کے دل میں آپ الہام کر کہ ہر ایک قدر اور طاقت بخشی کو ہے۔ (آمین ثم آمین)

المتمس

خاکسار مرزا غلام احمد قادیان

ضلع گورداس پور پنجاب

(اس کے بعد چھ مختلف زبانوں میں قیصرہ ہند کے حضور دعائیہ کلمات ہیں جو بوجہ طوالت چھوڑے جا رہے ہیں)

یہ ہیں وہ القابات' خطابات' ہدیہ ہائے تبارک جو ایک وقت کے نبی' ہند کے یسوع مسیح' اپنے مریدوں کے پیرو مرشد' مسلمانوں کے نمائندہ اور انگریز سرکار کے وفا شعار نے ملکہ **معظمہ** قیصرہ ہند کی خدمت میں پیش کئے اب قارئین پر یہ فیصلہ چھوڑا جاتا ہے کہ قرآن کریم کا نبی حضرت موسےٰ" وقت کے فراعونوں کو للکارتا ہے اور ان کو اپنے منطقی انجام تک پہنچاتا ہے۔ ابراہیم" نمرود کے خلاف علم بلند کرتے ہیں اور کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ نبی آخرالزمان تقریباً" بیاسی چھوٹی بڑی لڑائیوں میں خود شریک ہوئے ہیں اور اپنے نقش پا تا قیامت چھوڑ کر جاتے ہیں' حریت فکر اور **فک الرقبہ** کا درس دیتے ہیں لیکن ہند کا یسوع انگریزوں کی کاسہ لیسی کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا' مسلمانوں کو غلامی کا سبق دیتا ہے۔ شاہین بچوں کو کرگس کے جہاں کی طرف لے جاتا ہے۔ اور انگریز حکومت کی وفاداری کی تلقین کرتا ہے اس پر یہ کہنا کہ احمدیوں نے تحریک پاکستان میں کھل کر حصہ لیا اور قائد اعظم" کا ساتھ دیا۔ اگر ایسا ہوا ہے (جو کہ غلط ہے) تو یہ کچھ مرزا صاحب کی تعلیمات کے برعکس کیا گیا ہے۔ ان کے پیروکاروں نے قائد اعظم" کا ساتھ دے کر مرزا صاحب کے مشن کی پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے اور ان کے پیروکاروں نے اپنے یسوع مسیح سے بغاوت کی ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کو آج بھی مسلمانان برصغیر جنگ آزادی کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن ہند کے مسیح نے اسے "مفسدہ" کہا ہے اگر ایسا ہوا ہے تو یہ فیصلہ خود احمدی حضرات دیں کہ ان دونوں میں سے کون ٹھیک تھا۔ کیا مرزا صاحب کا خوشامدانہ رویہ درست تھا یا ان کے پیروکاروں کا انگریزوں کے خلاف لڑنا ٹھیک تھا۔ کسی بھی مسلمان کے دو روپ نہیں ہو سکتے۔ وہ موم ہو گا یا سنگ کہ دو رنگی منافقت کی سب سے بڑی علامت ہے۔ یہی وہ خصوصیت تھی جس کا دور دور تک نام و نشان قائد اعظم" مرحوم میں نظر نہیں آتا۔

اب اگر اسلام کی اساس **وطنیت** پرستی پر دی جائے تو میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ہندوستان کے شہر قادیان میں بسنے والے بھارت کی خیرخواہی کے لئے دست بدعا ہیں جب کہ پاکستان میں رہنے والے ربواہ کے حضرات پاکستان کے لئے دعاگو ہیں۔ اب خداوند لم یزل کس کی دعا قبول کرے گا۔ میں اس وقت اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتا کہ قومی اسمبلی کی اقلیت کی نشست پر کامیاب ہونے والے ایک غیر مسلم نے چند دن قبل مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ قرآن کریم نظریہ کی بنیاد کو اسلام کی اساس ٹھراتا ہے۔ ایک ہی خون ایک ہی نسل اور ایک ہی ذات کے حامل ابو لہب اور ابو جہل غیر مسلم اور کافر گردانے گئے جب کہ غیر خون غیر نسل کا حبشی غلام بلال" مسلم ٹھرا۔ حضرت

نوح کا اپنا بیٹا غیر اہل قرار دیا گیا جب کہ غیر لوگوں کو حضرت نوح کا اہل قرار دیا گیا۔ قرآن کریم نظریاتی اساس کو اہمیت دیتا ہے اور غیر نظریاتی سوچ کو یکسر باطل قرار دیتا ہے۔ ایک آدھ اقتباس مزید دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ 53۔

جب مسلمانوں نے مرزا صاحب کے ان دعاوی اور خیالات کی مخالفت کی تو انہوں نے " حضور گورنمنٹ عالیہ " کی خدمت میں ایک عاجزانہ درخواست پیش کی۔

"میں اس گورنمنٹ محسنہ کے زیر سایہ ہر طرح سے خوش ہوں صرف ایک رنج اور درد اور غم ہر وقت مجھے لاحق ہے جس کا استفاشہ پیش کرنے کے لئے اپنی محسن گورنمنٹ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور وہ یہ کہ اس ملک کے مولوی مسلمان اور ان کی جماعتوں کے لوگ حد سے زیادہ مجھے ستاتے اور دکھ دیتے ہیں"

حضور صلعم کی ساری زندگی عملی جہاد سے رقم ہے لیکن اس کے برعکس مرزا صاحب نے جو تعلیمات دیں اس کا بھی خلاصہ پیش خدمت ہے۔

" یاد رہے کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے یہ فرقہ جس کا مجھے خدا نے امام اور پیشوا اور رہبر مقرر فرمایا ہے ایک بڑا امتیازی نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ اس فرقہ میں تلوار کا جہاد بالکل نہیں اور نہ اس کی انتظار ہے بلکہ یہ مبارک فرقہ نہ ظاہر طور پر نہ پوشیدہ طور پر جہاد کی تعلیم ہرگز جائز نہیں سمجھتا۔"
تبلیغ رسالت جلد نہم صفحہ 82

چنانچہ وہ فخر سے لکھتے ہیں۔

" لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیئے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت ظہور میں آئی کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہ سکا۔" ستارہ قیصرہ صفحہ 3

آخر میں یہ وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس حقیقت سے کسی طور پر بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مرزا صاحب نے اپنی زندگی میں جو کچھ کیا اور کہا اسے ضبط تحریر میں من و عن لائے۔ اس لئے بھی کہ انہیں ہندوستان یسوع مسیح ہونے کا دعویٰ تھا لہٰذا وہ نہ تو غلط بیانی کر سکتے تھے نہ ہی ان سے عام زندگی کے واقعات میں جھوٹ بیان کرنے کی توقع کی جا سکتی تھی اور اس سلسلہ میں ان کو جی بھر کر داد دینی چاہیے۔ اس کے علاوہ ہم انیسویں صدی تک اور انتہائی احتیاط سے کام لیا جائے تو بیسویں صدی کے نصف تک جتنے بھی رہنمایاں سیاست یا مذہب برصغیر میں گزرے ہیں انہوں نے بہت کم کذب بیانی سے کام لیا ہے برصغیر کی سیاست میں کذب بیانی اس وقت شروع ہوئی جس وقت ہندو نے عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور رفتہ رفتہ مذہب بھی اسی کی لپیٹ میں آگیا اور آج یہ کذب بیانی اپنے انتہائی عروج تک پہنچ چکی ہے۔

غرض یہ تھیں وہ تعلیمات جو مرزا صاحب نے اپنے پیروکاروں کو بالخصوص اور مسلمانوں کو بالعموم دیں اور جس کا نقطہ ماسکہ انگریزی سلطنت اور انگریز راج کے ساتھ وفاداری بشرط استواری تھا۔

مجھے کسی کی دل آزاری ہرگز مقصود نہیں صرف تاریخی ریکارڈ کو درست رکھنے کے لئے ایسا کیا گیا تاہم اگر اس سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

***

اطلاعات

درس قرآن

1- محترم منظور الحسن صاحب مکان نمبر 111' بلاک نمبر 3' سیکٹر C-I قائد اعظم ٹاؤن لاہور' اپنے ہاں علامہ غلام احمد پرویزؒ کے درس قرآن کی ابتداء کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے اردگرد انہیں زمیلان فکر قرآنی کی تلاش ہے۔ قائد اعظم ٹاؤن کے حضرات توجہ فرمائیں

وفات

2- قرآنی فکر کے مبلغ ملک اللہ یار خان اعوان 23 اکتوبر 1997ء کو کنونشن سے ایک دن پہلے وفات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کے اس شیدائی کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

قرآن کی شیدائی اور طلوع اسلام کا بدقت نظر مطالعہ کرنے والی خاتون محترمہ رابعہ ڈار صاحبہ ایک عرصہ علیل رہ کر امریکہ میں انتقال کر گئیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے سوگوار خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

لٹریچر

3- روشن خیال' مصنف جناب پروفیسر علی حسن مظفر صدر انجمن ارتقائے ملت۔ سٹریٹ نمبر4 بڑی سول لائن گوجرانوالہ نے رائج معاشرہ سے بیزار افراد کو اپنا لٹریچر مفت ارسال کرنے کی پیش کش کی ہے۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات ان سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔

قرآن سوسائٹی۔ 294 کیولری گراؤنڈ لاہور چھاؤنی کے بانی اور صدر جناب لفٹیننٹ کرنل محمد ایوب خان صاحب نے قرآنی اصول و احکام پر مبنی 16 اسباق اور 5 اصلاحی ہفلٹس پر مشتمل کورس مفت فراہم کرنے کی پیش کش کی ہے۔ خواہشمند حضرات =/25 روپے ڈاک خرچ بھیج کر مندرجہ بالا لٹریچر حاصل کر سکتے ہیں۔ نیز انگریزی ترجمے کے ساتھ قرآن مجید ان کے ہاں =/100 روپے میں دستیاب ہے۔

اظہار تشکر

HEARTFELT THANKS

I Wish to express my profound thanks and appreciation to all my wonderful brothers of the *BAZM-E-TOLU-E-ISLAM* from different countries (some of whom are also *AL-BALAAGH* readers) who phoned me, wrote letters and sent sympathy cards, on the death of my wife Fatima, on *5 September, 1997*.

Their commiseration and compassion proved a real anodyne to me, strengthening and uplifting my spirit. May Allah Subhaanahoo Wa Ta-aala bless them all, and keep them happy and smiling .... *ALWAYS !*

A.S.K. JOOMAL
Editor - AL-BALAAGH.

Dear Subscribers !

With the despatch of this magazine, subscriptions paid for year 1997 have expired, Renewal fee for the year 1998 in respect of the patrons having Peshgi Account with us has been debited to their respective accounts; others are requested please to renew their subscriptions within the month of December 1997 so that supply of magazine to them in 1998 is not disturbed.

Rates for the year 1998 shall remain the same as for the year 1997,

Bazms and Account Holders sponsoring despatch of Magazine to their friends, relatives and libraries are requested to intimate changes upto Dec 25, 1997 failing which it shall be assumed that NO CHANGE is desired and despatch of the magazine shall be continued.

Patrons are also requested to take notice of their Peshgi Accounts and replenish deficiencies. They are also requested please to contribute liberally towards Gift Scheme from which magazine is supplied free of cost to Public and College libraries.

Thanking you,

Yours truly,
Muhammad Latif Chaudhery
Director Idara Tolu-e-Islam.

QUESTIONS ANSWERED IN CONVENTION 1997

Q: How come that so revolutionary and powerful a philosophy and such positive and health giving concepts and values are so little known and understood in the country?

Answer by Miss Shamim Anwar - In answer to this question, let me state at the very outset that the very fact the Quranic philosophy and concepts are so revolutionary and powerful, is the very reason for its being so little known and understood. A revolutionary outlook can only be understood and accepted by an equally revolutionary mindset. An unthinking and a dead mind cannot respond to it. It is not realised that individuals like Nabi Muhammad (PBUH), Abu Bakr, Omar and other associates are born in a particular social environment. Our traditional view of the then society sees only the negative aspects of it, justifying the coming of the last Nabi among the Arabs because they were the worst group at that point in history. This is an erroneous view. Those who are interested in the subject should read the relevant chapter in Allama Parwez's "Mairj-e-Insaniat". It is an in-depth scholarly study of comparative civilisations and very enlightening indeed. In fact it forms the basis and a guideline to my answer to the question that rightly bothers many of us.

Coming nearer home we must face the fact that it was a decadent society that was replaced by the British in the 18th and 19th centuries in South Asia. The fault lay within the conquered society, not the conqueror, for the Dinine scheme of things does not tolerate non-creativity and stagnation. While recognising all the cruelty and the humiliation that goes with such a situation as a nemesis, it cannot be denied that once the hostilities calmed down the British established a "rule of law" and administrative unity and peace in a country that was badly splintered, terrorised and looted by gangs of "thugs." What is more, they established both government and private schools and colleges from the years 1813 onwards. In the second half of the 19th Century universities of Bombay, Madras, Calcutta, Allahabad and the Punjab came into being. Apart from being pulled up into the 19th Century by being imparted upto date knowledge, a whole lot of creative activity bloomed in the country. Parsi theatre, Prithvi Raj Theatre, Udey Shankar Troupe, dramatic and debating societies in the educational institutions helped in forming lively and forward looking attitude in the up and coming new generation. It was in this atmosphere that among many others, Sir Syed Ahmed Khan, Iqbal, Jinnah and Parwez grew up. These were the scholars and leaders who heroically met the challenges of Hindu and British opposition, awakened the masses with their Quranic idealism, not only to save them, but save humankind form the ruthlessness of both capitalism and communism. Indeed, creation of Pakistan is a miracle of the 20th Century, a challenge to the world-wide onrush of anti-human and narrow perceptions of the time.

What happened to this revolutionary and powerful idealism? Pakistan was hijacked by the Pharaohs, Qaroons and Hamaans of today. This counter- revolution played havoc with the people, but there was method in their madness. To begin with, they virtually took possession of the educational institutions and sabotaged the educational process, cutting at the roots of the future generation. Along with this, every expression of creative activity in the realm of thought, sound, colour and rhythum was declared "haram". Every vestige of enjoyment and sound of laughter is unbearable to the pious ones. In such an inhibited and perverted atmosphere even an accomplished artist like Roshan Ara Begum could not sing any more, leave alone producing an enlightened society and leadership at all levels. On the contrary any emergence of leadership is thwarted. We have regressed into decadence once again, back into the pre - Sir Syed era.

The counter- revolution has had another very devastating and deep-rooted effect. This is the downsizing and degrading the status of women. This is not so simple as it seems. We tend to forget that women and wives are also mothers, and it is in the mothers lap that the nation is born. Varied expectations of husband and a son from the same person is perhaps the biggest contradiction of human existence. The vendetta of a rejected woman ends up in an insecure, frightened and deprived society, which far from responding to a revolutionary message of freedom and creativity, tries to escape and run away from it, back so to say, into the mother's womb. Of course the umbilical cord is never cut. To maintain freedom, every new generation must be reared in freedom. There have been more than one example in human history when given a chance to be free, a society has surrendered to an authoritarian set-up where they do not have to make decisions and take responsibilities for it. By and large, we are so scared of the hollowness within us that we not only lean on living 'Sufis' and 'pirs' and all the stupidity that goes with it, but rely even on their dead bones in the tombs instead of relying on their own potentials. No, such people cannot be lured by revolutionary ideas.

Earlier on I talked about the Pharaohs and Qaroons of today. It is they who rule the roost in this blighted country. They own the resources of the land and they sit in the so-called legislative assemblies. Every move of theirs is to maintain the status quo. History has proved that no country has made progress unless these owners themselves have not been freed from the curse of ownership. It is only then that people can and will respond to revolutionary idealism.

Over and above all this, looms large the power of propaganda. Today the technological means of propaganda are enormous and global, but it is nevertheless an ancient method of maligning the exponents of the revolution and hoodwinking the gullible public who unthinkingly lap it up. Tolu-e-Islam is the victim of a most vicious and well-financed propaganda machinery, creating a curtain of ignorance in the public mind. It is a two-pronged attack: One is to misinterpret and scare the people; the other is to black out the name of Parwez. Consequently, no writer, journalist or teacher can quote him directly by name, while references to Rousseau J.Stuart Mill, Hegel, Marx,

Man, Maudoodi, Gandhi and Nehru carry no prejudice. All this is also done through terrorist methods. For example decades ago, there was terrorist like protest against the weekly paid announcement of Parwez's lecture in the precincts of his own home printed in the columns of a local daily. During Ayub's rule, there used to be a daily "President's House Circular" wherein the names of visitors to the President were listed. Occasionally Parwez's name appeared in the list. There was an agitation against this practice until the name was blacked out. Terrorism is a method that religious political parties have used to cow down newspaper offices and PTV centres against certain publicity or if they themselves are not given enough publicity. If the world has found any anti dote to such cowardly terrorism, at least I am not aware of it.

Tolu e Islam also has an inherent barrier, if it may he called a barrier. It is one thing to project a new book, but quite another to present a book that already exists for the last fourteen centuries, believed in by millions of people in its particular misinterpreted and distorted form, To go on repeating the familiar things by the religious political groups is very comfortable for a traditional group. Anything unfamiliar is frightening to them.

In any case, those who admire the revolutionary philosophy of the Quran would know that it is a struggle between the haves and the have-nots. You are up against a massive and brute force of the vested interests and their crafty machinations. One can only strike when one is ready for it.

However, one should not look at the situation pessimistically. It is very seldom that Nabi Muhammad (PBUH) gets an Omar, or Iqbal a Jinnah. It is even more seldom that an all rounder like Sir Syed Ahmed appears. In the meantime, our duty is to continue projecting this revolutionary idealism, individually and collectively, quietly and with dedication. A lot of sound and fury does not signify anything. It is shallow. The early phase of a genuine revolution is imperceptible. When it becomes perceptible, it shakes the world. We must also remember that Tolu-e-Islam professes to be an intellectual movement appealing to the educated and the student community. It is bound to be a slow process. It is not very glamorous to sit in a corner of a room reading and researching dusty and musty books and manuscripts. As the Quran says, one should continue to struggle without expecting results in ones lifetime. Being in a hurry, this advice is hard to swallow, but it is the only way.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ

روئیداد

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

زندہ قوموں کا شعار یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی روز حساب اور روز آخرت کا انتظار نہیں کیا کرتیں۔ وہ ہر لمحہ اور ہر سانس میزان بردار رہا کرتی ہیں بلکہ سراپا میزان ہوا کرتی ہیں۔

جماعت مومنین کا سالانہ اجتماع ہوتا ہی خود احتسابی کے لئے ہے۔ ایسے اجتماعات میں گزشتہ سال کے کام اور قوت کارکردگی کا جائزہ لے کر آئندہ سال کے لئے لائحہ عمل طے کرنا ہوتا ہے۔ قرآنی فکر رکھنے والے اس طریق کو کنونشن کا نام دیتے ہیں۔

تین روزہ طلوع اسلام کنونشن کا آغاز جمعہ 24 اکتوبر 1997ء کی شام نمائندہ بزم طلوع اسلام کویت اور نائب صدر ادارہ طلوع اسلام جناب عبید الرحمان ارائیں صاحب کے خطاب سے ہوا۔ ملک کے مختلف حصوں سے متلاشیان حق کی بہت بڑی تعداد پہلے ہی تشریف لا چکی تھی۔ مندوبین کے قیام و طعام کا انتظام ادارہ کی چار دیواری کے اندر کیا گیا تھا۔ بیرون ملک بزموں کے ساتھ مشاورت اور اپنے سال ہا سال کے تجربات و مشاہدات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے دو گھنٹے کے خطاب میں جناب ارائیں صاحب نے بزموں میں نئی روح پھونکنے کے لئے تنظیم کار کا ایک مربوط خاکہ پیش کیا جو غور و فکر اور بحث و تمحیص کے بعد مفید عمل قرار دیا گیا۔

پبلک جلسوں کے لئے امسال قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کے احاطہ میں لب سڑک کھلے میدان کا انتخاب کیا گیا تھا لیکن تین دن کی مسلسل بوندا باندی کے پیش نظر آخری وقت جناح ہال کا رخ کرنا پڑا۔

25 اکتوبر 1997ء کا دن حسب سابق چیرمین ادارہ کے افتتاحی خطاب اور بزموں کے تعارفی اجلاس کے لئے مختص تھا۔ مندوبین کو خوش آمدید کہتے ہوئے چیرمین ادارہ جناب ایاز حسین انصاری نے اپنے طویل خطاب میں تحریک کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی اور ان خاردار جھاڑیوں کی نشاندہی کی جو تحریک کی راہ میں حائل ہیں۔ ان کا خطاب اسی شمارے میں شامل اشاعت ہے۔ ایڈیٹر طلوع اسلام محمد لطیف چوہدری نے اپنے 9 سالہ دور ادارت کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے حاضرین محفل کو ان مدیران سے روشناس کرایا جو 1938ء سے لے کر آج تک بطور مدیر' تحریک طلوع اسلام کے ساتھ وابستہ رہے ہیں اپنی رپورٹ میں انہوں نے بتایا کہ مدیران کی فہرست میں مرزا محمد خلیل صاحب کے بعد وہ دوسرے مدیر ہیں جنہوں نے سنچری مکمل کی ہے اور اللہ کے فضل سے ابھی تک کریز پر ہیں۔

احتساب خویش کی اس محفل میں اب باری تھی نمائندگان بزم کی جو مصائب و مشکلات اور عزم و ہمت کی داستانیں لئے یکے بعد دیگرے سٹیج پر آکر سال بھر کی کارکردگی احتساب کے لئے پیش کر رہے تھے۔ کمپرنگ کا فریضہ کراچی سے جناب رشید بٹ صاحب نے ادا کیا اور کرسی صدارت پر نائب صدر کے جلو میں' چیرمین ادارہ جناب ایاز حسین انصاری تشریف فرما تھے۔ اس محفل کو یوں تو سبھی نے گرمایا لیکن بزم کراچی کی سالانہ رپورٹ جسے چارٹوں'

کرانوں اور سلائیڈوں کی مدد سے اجاگر کیا گیا تھا' اپنی مثال آپ تھی۔ کراچی بزم کے نمائندہ جناب اقبال صاحب سے اپنی یہ رپورٹ جس دلکش اور حسین انداز میں پیش کی اور حاضرین نے جس فراخدلی سے اسے سراہا' اس کا صحیح اندازہ ویڈیو دیکھ کر ہی لگایا جا سکے گا۔ یہ محفل رات گئے تک جاری رہی ۔

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
تمہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

پہلا کھلا اجلاس۔ 26 اکتوبر 1997ء

لاہور کا جناح ہال آج پھر متلاشیان حق کے لئے کھلا تھا۔ 9 بجے ہال پر ہو چکا تھا۔ یوں تو کنونشن کا ہر اجلاس قرآنی پیغام عام کرنے کے لئے ہوتا ہے لیکن مجلس استفسارات ہمیشہ کنونشن کی جان رہی ہے۔ عام روش سے ہٹ کر اس دفعہ عوام سے براہ راست درخواست کی گئی تھی کہ وہ اسلام اور تحریک طلوع اسلام کے متعلق جو سوال بھی پوچھنا چاہیں لکھ کر بھجوا دیں۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہماری اس اپیل کے جواب میں جس کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی گئی تھی تحریک طلوع اسلام کے متعلق بہت کم سوالات موصول ہوئے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تحریک اب عوام الناس کے لئے اجنبی نہیں رہی۔ جواب دینے کے لئے پینل' جناب عبید الرحمان ارائیں' جناب عبداللہ ثانی اور جناب بشیر احمد عابد پر مشتمل تھا۔ کمپرنگ جناب محمد لطیف چوہدری کے ذمہ تھی اور صدارت جناب جام ساقی اور جنرل (ر) احسان الحق ملک صاحب فرما رہے تھے۔ بعض مسائل جو سوالات کی شکل میں لوگوں کی طرف سے پیش کئے گئے انتہائی اہم اور نازک تھے' تاہم جس احسن طریق اور قرآنی حوالوں سے اطمینان بخش جوابات پینل کی طرف سے دیئے گئے وہ لائق تحسین تھے۔ کچھ وضاحتیں حاجی حبیب الرحمان صاحب نے بھی پیش کیں۔ جناب لطیف چوہدری کے برجستہ اور برمحل لطائف نے محفل کو بلا وجہ سنجیدگی سے محفوظ رکھا اور یوں یہ دلچسپ اور معلومات افزا سلسلہ نماز ظہر تک جاری رہا۔ محفل کے اختتام پر مہمان خصوصی جام ساقی صاحب کو' جو حیدر آباد سندھ سے تشریف لائے تھے دعوت خطاب دی گئی۔ جام صاحب اپنے زمانے کے معروف سٹوڈنٹ لیڈر اور بائیں بازو کی سیاست سے وابستہ رہے ہیں۔ عمر کا بہت بڑا حصہ جیل میں گزرا۔ وہ آجکل سندھ میں خاری تحریک کی قیادت کے ساتھ ساتھ قرآنی نظام ربوبیت کے گہرے مطالعہ میں مصروف ہیں۔ وقت کی قلت کے باعث خطاب کے لئے انہیں بہت کم وقت مل سکا۔ نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا اور جنرل احسان الحق ملک صاحب کا خطاب ابھی باقی تھا۔ نماز بہرحال مقدم تھی اور جنرل صاحب کو بھی اس کا' احساس تھا اس لئے انہوں نے تھوڑے سے وقت میں اپنے دلچسپ اسلوب تقریر سے ناظرین کے دلوں کو گرمایا اور پر لطف جملوں سے محفل کا اختتام کیا۔

دھینگا مشتی کے واقعات تو ہو سکتا ہے اس ہال نے بارہا دیکھے ہوں لیکن اتنا پر ہجوم اور پر سکوت اجتماع شائد ہی کبھی دکھائی دیا ہو۔ سو سے زائد کرسیاں فراہم کرنے کے باوجود ہال کے اردگرد کی گیلریاں سامعین سے پر تھیں۔ بہت سارے لوگ' بعد میں معلوم ہوا' کہ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے واپس لوٹ گئے۔

ظہرانے اور ادائیگی صلوٰۃ کے وقفہ کے بعد ساڑھے تین بجے بعد دوپہر بزم مذاکرہ کا آغاز ہوا۔ کمپرنگ کی زمام کار نوجوان نسل کی نمائندہ کنیرڈ کالج کی پروفیسر محترمہ صالحہ لغمی کے سپرد تھی۔ صدارت کے فرائض ڈاکٹر حیات ملک صاحب نے ادا کئے۔ محدود وقت کے پیش نظر مقابلے میں 6 مقالے شامل کئے گئے تھے۔ موضوع تھا۔ " حرام رزق کے راستے کس طرح بند کئے جا سکتے ہیں۔؟ " مصنفین کے فرائض ڈاکٹر صلاح الدین اکبر' محترم بشیر احمد عابد اور محترم علی

محمد چدھڑ صاحب نے ادا کئے۔ پہلا انعام گورنمنٹ کالج لاہور کے اکبر مشتاق نے [illegible] خوشاب کی تابندہ قمر اور تیسرا انعام صائمہ انور نے حاصل کیا۔ مبلغ =/3000 [illegible] جناب تجمل پرویز ڈار نے فراہم کیا تھا۔ مقابلے میں حصہ لینے والے دوسرے طلبا کو بھی [illegible]

قارئین طلوع اسلام جانتے ہیں کہ طلوع اسلام اہل فکر و نظر اور متلاشیان حق [illegible] کے لئے بھی ایسا پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے جس پر سے یہ پوری آزادی سے اپنے قلبی [illegible] قوم کے سامنے پیش کر سکیں اس شرط کے ساتھ کہ وہ قرآنی حدود سے متجاوز نہ ہونے پائیں [illegible] طلوع اسلام مرد اور عورت کی مساوات کی قرآنی تعلیم کا علمبردار ہے اس لئے پروگراموں میں قوم کے بیٹوں [illegible] کی بیٹیاں بھی شریک محفل ہوتی ہیں۔ یہ محفلیں' وقار سنجیدگی اور متانت شعاری کا مرقع ہوتی ہیں [illegible] زندہ شہادت کہ اگر قوم کے نوجوانوں کی صحیح تربیت کی جائے تو وہ کس طرح شرافت و نجابت [illegible] تقریری مقابلے کے بعد انہی نو نہالوں کے ایک گروپ نے نژاد نو کے ایک اور ترجمان محترم [illegible] میں ایک مختصر مگر پر مغز تمثیلچہ پیش کیا جس میں اس نوجوان کی مشکلات کی نشاندہی کی گئی تھی [illegible] ہونے کے لئے بیتاب ہے لیکن کورانہ تقلید اس کی راہ میں بری طرح حائل ہے۔ اظہار رائے کی اپنی [illegible] کوشش تھی جسے بعض لوگوں نے بے حد پسند کیا اور بعض نے اسے قبل از وقت قرار دیا۔

سال 1997ء قوم نے گولڈن جوبلی سال کے طور پر منایا ہے پاکستان سے طلوع اسلام کو بھی اتنی [illegible] گوکہ اس کی محبت کا انداز مختلف ہے۔ تحریک پاکستان میں طلوع اسلام کی دلچسپی صرف اس بنا پر تھی کہ ہمیں [illegible] خطہ زمین حاصل ہو جائے جس میں ہم اس معاشرہ کو قائم کر سکیں جو پہلی بار محمد رسول اللہ والذین معہ [illegible] ہاتھوں سرزمین عرب میں **متشکل** ہوا تھا۔ اس خطہ زمین کے حصول کے بعد طلوع اسلام کے ذمہ یہ فریضہ [illegible] کہ وہ بتائے کہ اس قرآنی معاشرہ کے خدوخال کیا ہیں اور یہ کس طرح وجود میں آسکے گا۔ طلوع اسلام کی [illegible] سالہ جدوجہد اس مقصد کے حصول کی آئینہ دار ہے۔ طلوع اسلام نہ کسی مذہبی فرقے کا موید ہے نہ کسی [illegible] نقیب۔ یہ قرآن کا علمبردار ہے اور قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر۔ کارکنان طلوع اسلام خدا کی کتاب [illegible] فروزاں کو لے کر اس لئے محو تگ و تاز ہیں کہ اس سے انسانیت کی راہیں روشن ہو جائیں اور یہ زمین اپنے [illegible] دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے۔ گولڈن جوبلی کی تقریبات کی آخری کڑی کنونشن 1997ء کے اختتام [illegible] اسلام نے اپنے کارکنان کو یادگاری سوینر Souvenir پیش کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ تقریب بھی جناح ہال [illegible] منعقد ہوئی سوینر حاصل کرنے والوں میں بزم ہائے طلوع اسلام کے نمائندگان کے علاوہ جو حضرات شامل تھے ان [illegible] اسمائے گرامی یہ ہیں۔

جناب ایاز حسین انصاری صاحب	بطور چیرمین ادارہ طلوع اسلام
جناب عبید الرحمان ارائیں صاحب	بطور نائب چیرمین ادارہ طلوع اسلام
جناب عبداللہ ثانی صاحب	بطور نائب چیرمین ادارہ طلوع اسلام
جناب عطاء الرحمان ارائیں صاحب	بطور پبلشر طلوع اسلام
جناب محمد لطیف چوہدری صاحب	بطور مدیر ماہنامہ طلوع اسلام
جناب حاجی حبیب الرحمان صاحب	بطور چیرمین قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی

محترمہ ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ	بطور سربراہ طلوع اسلام ٹرسٹ
جناب احمد حسین قیصرانی	بطور منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ
ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب	بطور دانشور
محترمہ شمیم انور صاحبہ	بطور دانشور
ڈاکٹر صلاح الدین اکبر صاحب	بطور دانشور
جناب بشیر احمد عابد صاحب	بطور دانشور
جناب علی محمد چدھڑ صاحب	بطور دانشور
جناب حنیف وجدانی	بطور دانشور
جناب عاطف طفیل	بطور دانشور

مندرجہ ذیل محسنین تحریک کے حضور بھی ہدیہ تبریک پیش کیا گیا۔

محترم محمد عمر دراز مرحوم
محترم مرزا محمد خلیل مرزا مرحوم
محترم شیخ عبدالحمید مرحوم
محترمہ ثریا عندلیب مرحومہ

ٹرسٹ اور ادارہ کے سٹاف اور مقابلوں میں حصہ لینے والے نو نہالوں کو بھی تحفے اور سویز Souvenir پیش کئے گئے۔ ہر تحفے کے ساتھ جناب طلعت محمود کی کتاب مظلوم قرآن بطور تحفہ پیش کی گئی۔

27 اکتوبر 1997ء کا دن ادارہ کے انتظامی امور اور آئندہ سال کے لئے لائحہ عمل طے کرنے کے لئے مختص تھا۔ اس اجلاس میں جو فیصلے کئے گئے ان کی تفصیل الگ سے ارسال کی جا چکی ہے۔ جدا ہونے والوں میں محترم محمد عمر دراز' چوہدری فضل داد' چوہدری عبد الحمید اور چوہدری ارشد محمود ارشد بہت یاد آئے۔ قرآنی فکر کی ابلاغ کے لئے اللہ ان کی مساعی جمیلہ قبول فرمائیے۔ جگہ کی قلت کی وجہ سے دوران کنونشن کچھ احباب کو ہو سکتا ہے دقت پیش آئی ہو ادارہ اس کے لئے ان سے معذرت خواہ ہے۔ آئندہ سال حالات انشاء اللہ بہتر ہونگے۔

27 اکتوبر 1997ء کی شام تک مندوبین رخصت ہو چکے تھے۔ میزبانی کے فرائض بزم لاہور نے ادا کئے' خورد و نوش کے جملہ اخراجات کی ذمہ داری بزم کویت نے قبول کر رکھی تھی اور شامیانوں کے اخراجات بزم ناروے نے ادا کئے۔ جو نمائندگان کسی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے ان کے سویز Sounvenir ادارہ کے پاس محفوظ ہیں۔ کنونشن کی تصویری جھلکیاں آپ آئندہ صفحات میں دیکھ سکیں گے اگر کسی دوست کو اپنی تصویر نظر نہ آئے تو سمجھ لیجئے کہ یا تو وہ کیمرے کی نگاہ سے اوجھل رہے یا تصویر فنی لحاظ سے قابل اشاعت نہ تھی۔ ایسے حضرات سے معذرت چاہتے ہوئے آپ کا ناظم آپ سے اجازت چاہتا ہے۔ انشاء اللہ پھر ملیں گے۔ اللہ حافظ

محمد لطیف چوہدری

فردوس گم گشتہ

(زیر طبع)

علامہ پرویزؒ کے ان انقلاب آفریں مضامین کا مجموعہ، جنہوں نے قوم کے نوجوان طبقہ کے دل میں عقابی روح کو بیدار کر دیا۔

☆ مضامین کی فہرست ☆

1۔ دنیا کی نجات
2۔ جنگ
3۔ فردوس گم گشتہ
4۔ ایمان بلا عمل
5۔ اسلام اور سائنس
6۔ خدا کی بادشاہت
7۔ اسلام اور مذہبی رواداری
8۔ تمسک بالکتاب
9۔ کیا تمام مذاہب یکساں ہیں ؟
10۔ وراثت
11۔ قرآن اور تاریخ
12۔ مسلمان کی زندگی
13۔ یہ زمین کس کی ہے؟
14۔ قرآن کا معاشی نظام
15۔ اپنی آنکھ اور قرآن کی روشنی
16۔ نسخہ اور اس کا استعمال
17۔ خدا اور قیصر

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

مقررین کنونشن

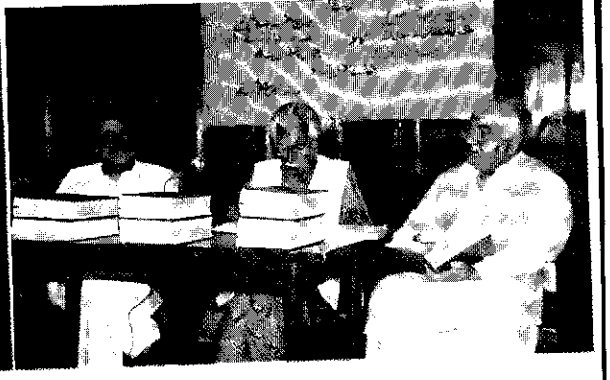

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

شرکاء کنونشن

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

تعارفی تقریب۔ نمائندگان بزم

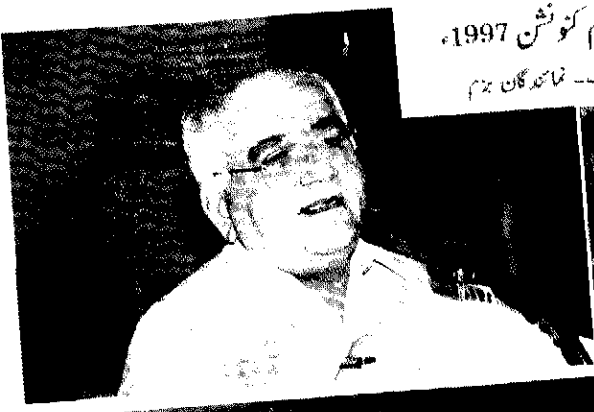

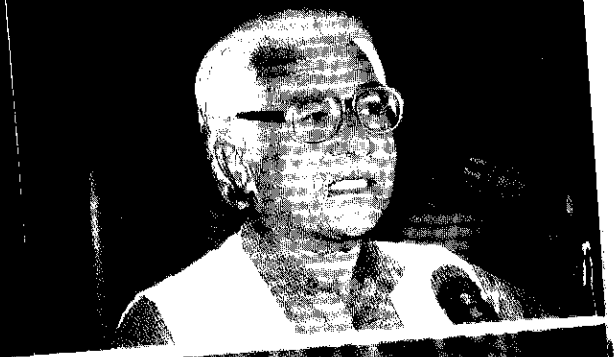

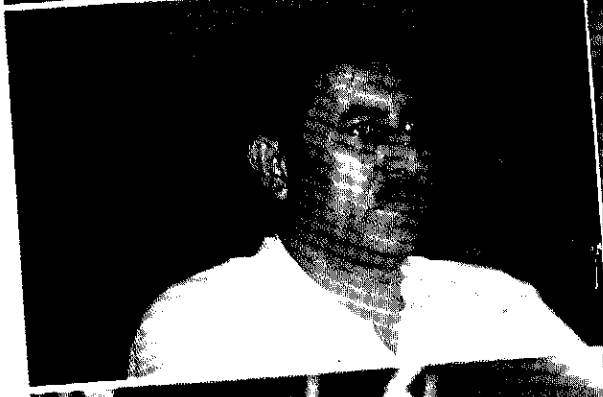

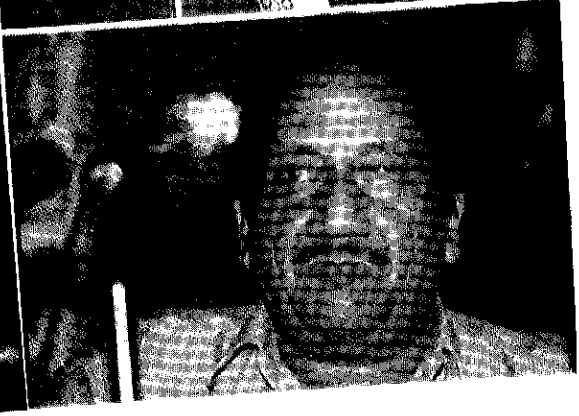

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

تعارفی تقریب۔ نمائندگان بزم

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

تعارفی تقریب۔ نمائندگان بزم

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

جلسہ تقسیم اسناد بسلسلہ گولڈن جوبلی

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

جلسہ تقسیم اسناد بسلسلہ گولڈن جوبلی

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

جلسہ تقسیم اسناد بسلسلہ گولڈن جوبلی

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

جلسہ تقسیم اسناد بسلسلہ گولڈن جوبلی

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

جلسہ تقسیم اسناد بسلسلہ گولڈن جوبلی

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

تقسیم اسناد۔ دفتری عملہ

1|2

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

میزبان، منصفین اور شرکاء۔ تقریری مقابلہ

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

شرکاء تقریری مقابلہ

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

شرکاء و ناظرین۔ تمثیلچہ

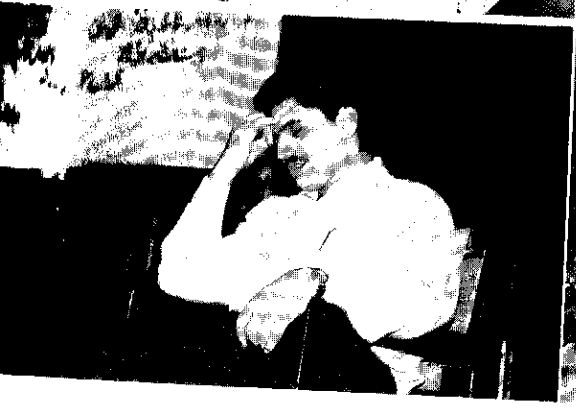

طلوع اسلام کنونشن 1997ء
تقریب تقسیم انعامات

طلوع اسلام کنونشن 1997ء

شرکاء کنونشن کی تصویری جھلکیاں

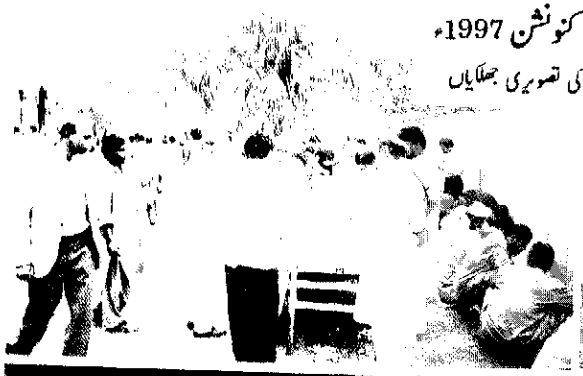

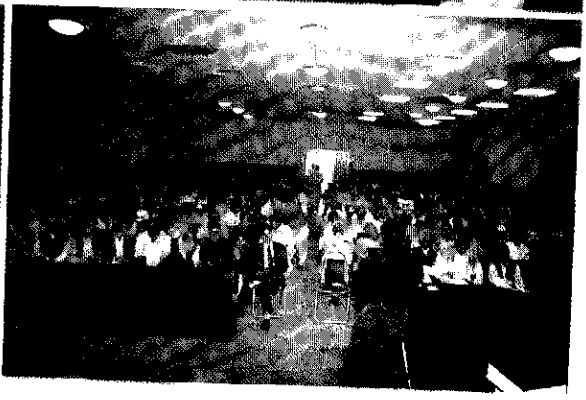

اعلان

(اقبالؒ کا سال)

دور حاضرہ کے مسلمانوں کی انتہائی خوش بختی ہے کہ انہیں آج مسائل حیات کا حل قرآنی روشنی میں تلاش کرنے کے لئے کچھ جگرکاوی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ڈوبتی ہوئی قوم میں ایک ایسی گراں قدر ہستی کو پیدا کیا جس نے اپنے دل و دماغ کی بہترین متاع کو تمام عمر ان ہی مسائل کے حل میں صرف کر دیا یہ بیش بہا خزانہ آج " **کلام اقبال** " کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس پرچہ کی خوش بختی ہے کہ پیام اقبال کی نشر و اشاعت اس کا مقصد ہے۔ آج ملت اسلامیہ کی زندگی کا راز اس " پیام" کے اندر ہے کہ یہ پیام دراصل قرآن کریم ہی کا پیام ہے۔ حضرت علامہ مدظلہ العالی کی باریک بیں اور دور رس نگاہیں قرآنی حقائق کو سمجھنے میں جن بلندیوں تک پہنچ چکی تھیں ان سے کوئی دیدہ ور ناواقف نہیں۔ ملت اسلامیہ اللہ تعالیٰ کی اس موہبت عظمیٰ پر جسقدر بھی ناز کرے بجا ہے۔

طلوع اسلام دلی مسرت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ سال 1998ء اقبالؒ کے سال کے طور پر منایا جائے گا۔ شیدایان اقبال سے التماس ہے کہ وہ اپنی نگارشات جس قدر جلد ممکن ہو دفتر ہذا کو ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

چیرمین ادارہ طلوع اسلام

☆ -- ☆ -- ☆ -- ☆

اعتذار نومبر کے شمارہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے نام پر غلطی سے (رح) ٹائپ ہو گیا ہے جو ہمارے اور جمہور مسلمانوں کے نزدیک صحیح نہیں۔ براہ کرم اسے حذف کر دیجئے۔ ادارہ اس فروگذاشت کے لئے اپنے کرمفرماؤں سے معذرت خواہ ہے۔ مدیر